5

حکومت

(Government)

سوال: حکومت کی تعریف بیان کریں۔ نیز حکومت کی درجہ بندی پر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: حاکم کا مطلب حکم دینے والا/ نظام چلانے والا یعنی جس کی بات کسی بھی طور رد نہ کی جاسکتی ہو۔ ''حکومت سیاسی کنٹرول کا ایسا نظام ہے جس کے تحت قانون بنانے اور نافذ کرنے کا حق آزاد سیاسی معاشرے میں مخصوص افراد کو ہوتا ہے۔''

پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور: ''حکومت جمہوری ریاست میں منتخب افراد کی ایسی تنظیم ہے جو آئین کے مطابق عوام کی اجتماعی ترقی کے لیے پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔'' مثلاً برطانیہ میں پارلیمانی حکومت۔ ایک اور جگہ کہتے ہیں کہ حکومت سے مراد ایسا اقتدارِ اعلیٰ ہے جو ایک ریاست یا ایک آزاد سیاسی معاشرے میں ایک یا چند منتخب افراد کی طرف سے برتر سیاسی حیثیت میں استعمال کیا جاتا ہے اور حکومت کا یہ اعلیٰ اختیار آئین کے مطابق عوام کا عطا کردہ ہوتا ہے جو کہ معاشرے میں رعایا کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

حکومت کی تقسیم: 1-مقننہ 2-انتظامیہ 3-عدلیہ

حکومت کی تنظیم تین شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ مقننہ مہذب معاشرے کی ترقی کے لیے قوانین بناتی ہے جو ریاست میں بہتر زندگی بسر کرنے کے لیے نظام حیات کا تعین کرتے ہیں۔ انتظامیہ ان قوانین کو نافذ کرتی ہے تاکہ لوگوں کو پُر امن، پُر سکون، ذہنی، روحانی اور جسمانی خوشی حاصل ہو۔ عدلیہ میں عدل و انصاف قائم کرتی ہے۔ شہریوں کو آزادی اور بنیادی حقوق کا تحفظ فراہم کرتی ہے۔ جدید دور میں حکومت کے معاشرتی اور معاشی فرائض میں اضافہ ہوا ہے۔ فرد کی تعمیر سیرت، معاشرتی عدل کا قیام، عوام کے معاشی تحفظ اور فلاح و بہبود جیسے مقاصد کو بہتر طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حکومت کو تین شعبوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

حکومت کی درجہ بندی(Classification of Government)

علم سیاسیات کے بعض مفکرین جن میں ارسطو(Aristotle) بھی شامل ہے، حکومت کی اقسام کو ریاست کی اقسام قرار دیتے ہیں لیکن یہ تصور درست نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ریاست کی درجہ بندی ممکن نہیں کیونکہ دنیا کی تمام ریاستیں نوعیت اور عناصر کے لحاظ سے ایک جیسی ہوتی ہیں۔

ہر ریاست چار لازمی عناصر یعنی آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے دنیا کی تمام ریاستیں ایک جیسی ہیں۔ البتہ حکومت کی مختلف اقسام ہوسکتی ہیں۔ آج بھی بعض ممالک میں جمہوریت ہے اور بعض میں آمریت، کسی ملک میں پارلیمانی نظام حکومت ہے تو کسی ملک میں صدارتی طرز حکومت ہے۔ مفکرین کے خیال میں حکومت کی مختلف اقسام ہیں جن میں سے چند ایک مفکرین کے نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

1-ڈاکٹر لیکاک کی تقسیم: موجودہ دور میں لیکاک کی تقسیم سب سے بہتر اور جامع سمجھی جاتی ہے۔

2-مانٹیسکیو (Montesquieu) کی تقسیم: مانٹیسکیو نے حکومت کو مندرجہ ذیل تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

(i) جمہوریت: جس میں عوام اقتدار اعلیٰ کے مالک ہوتے ہیں۔
(ii) بادشاہت: جس میں فرد واحد راست کے آئین اور قانون کے مطابق حکومت کرتا ہے۔
(iii) مطلق العنانیت: جس میں فرد واحد کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں لیکن وہ کسی آئین اور قانون کا پابند نہیں ہوتا۔

3-ارسطو کی حکومتوں کی درجہ بندی(Aristotle's Classification): ارسطو نے اپنی کتاب ''سیاست(Politics)'' میں ریاست کی مختلف اقسام کو بیان کیا ہے۔ ارسطو نے حکومت کی تقسیم کی بنیاد دو اصولوں پر رکھی ہے:

www.downloadclassnotes.com

(i) حکمرانوں کی تعداد (ii) حکمرانی کا مقصد

ارسطو کے نظریے کے مطابق اگر ایک فرد واحد حکمران ہو اور عوام کے مفاد میں حکومت کرے تو اسے بادشاہت (Monarchy) کہا جائے گا۔ اگر حکمران اجتماعی مفاد کی بجائے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اختیارات کو استعمال کرے تو بادشاہت جابرانہ حکومت (Tyranny) میں بدل جائے گی۔ اگر چند افراد عوام کے مفاد میں حکومت کریں تو اسے اشرافیہ (Aristocracy) کہا جاتا ہے اور جب وہ خود غرض ہو جائیں تو چند سری (Oligarchy) کہلاتی ہے۔ اگر اقتدار اکثریت کے پاس ہو اور اس کے پیش نظر فلاح عامہ ہو تو اس کو ارسطو منظم معاشرہ (Polity) کہتا ہے اور جب حکمران طبقہ عوام کا استحصال کرنے لگے تو پھر منظم معاشرہ ''جمہوریت (Democracy)'' میں بدل جائے گا۔ ارسطو کے نزدیک جمہوریت حکومت کی بدترین اور گمراہ کن شکل ہے۔

ارسطو کی ریاستوں کی درجہ بندی کو یوں واضح کیا جا سکتا ہے:

حکمرانوں کی تعداد	صحیح شکل	گمراہ شکل
فرد واحد کی حکومت	بادشاہت	جابرانہ حکومت
چند اشخاص کی حکومت	اشرافیہ	چند سری
بہت سے اشخاص کی حکومت	منظم معاشرہ	جمہوریت

4- میرٹ کی تقسیم (Marriot's Classification): میرٹ کی تقسیم تین اصولوں پر مبنی ہے:

(i) وحدانی نظام حکومت: اگر حکومت کے تمام اختیارات ایک ہی مرکزی حکومت کے پاس ہوں تو ایسی حکومت وحدانی طرز حکومت کہلاتی ہے۔

(ii) وفاقی نظام حکومت: اگر کسی ریاست میں حکومت کے اختیارات مرکز اور صوبوں کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں تو ایسی حکومت وفاقی طرز حکومت کہلاتی ہے۔

(iii) مطلق العنان حکومت: ایسا نظام حکومت جس میں انتظامیہ کو مقننہ اور عدلیہ پر برتری حاصل ہو، مطلق العنان حکومت کہلاتی ہے۔

سوال: ایک جمہوری نظام کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے لازمی شرائط کون سی ہیں؟ اپنے نقطہ نظر کے حق میں ٹھوس دلائل دیجئے۔ (یا)

جمہوریت کی تعریف کریں نیز اس کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔ (لاہور بورڈ 2013ء)

جواب: تعارف: جمہوریت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جمہور کا مطلب ''سب لوگ/عوام'' کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت سے مراد ''عوام کی حکومت'' یہ ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں عوام اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔

جمہوریت (Democracy)

جمہوریت کا مفہوم (Meaning of Democracy): جمہوریت کو انگریزی میں (Democracy) کہتے ہیں جو دو یونانی الفاظ (Demo) اور (Krates) سے اخذ کیا گیا ہے۔ (Demo) کے معنی ''عوام'' کے ہیں اور (Krates) کے معنی حکومت کے ہیں۔ یعنی جمہوریت سے مراد ''عوام کی حکومت'' ہے۔

جمہوریت کی تعریف (Definition of Democracy): جمہوری طرز حکومت موجودہ ریاست کا پسندیدہ ترین طرز حکومت ہے، جس کو مختلف سیاسی مفکرین نے اپنے اپنے انداز سے بیان کیا ہے:

1- ارسطو (Aristotle): ''جمہوری طرز حکومت میں اقتدار ایک ہجوم کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔''

2-پروفیسر سیلے (Prof Seeley): ''جمہوریت ایسا طرز حکومت ہے جس میں ہر کوئی حصہ دار ہوتا ہے۔''

3-لارڈ برائس (Lord Bryce): ''یہ نظام حکومت غالب اکثریت کی حکمرانی قائم کرتا ہے اور افراد کے مخصوص گروہ کے ہاتھوں میں اقتدار نہیں دیتا۔''

4-گیٹل (Gettle): ''ایسا طرز حکومت جس میں آبادی کا ایک بڑا حصہ اقتدار اعلیٰ کے اختیارات کے استعمال میں شرکت کا حق رکھتا ہے۔''

5-ابراہم لنکن (Abraham Lincoln): ''جمہوریت ایسا طرز حکومت ہے جو عوام کی حکومت' عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے ہوتی ہے۔''

6-ڈائسی کے مطابق (Prof. Dicey): ''ایک ایسا طرز حکومت جس میں کل آبادی کا ایک بڑا حصہ حکمران ہوتا ہے۔''

7-علامہ اقبال (Allama Iqbal): ''جمہوریت ایک ایسا طرز حکومت ہے جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔''

اس سے پہلے کہ ہم جمہوریت کی خصوصیات پر نظر دوڑائیں' جمہوریت کی دو بنیادی اقسام کا مختصر سا جائزہ لے لینا چاہئے۔

جمہوریت کی اقسام (Kinds of Democracy): جمہوریت کی دو اقسام ہیں:

1- بلاواسطہ جمہوریت   2- بالواسطہ جمہوریت

1-بلاواسطہ جمہوریت (Direct Democracy): بلاواسطہ جمہوریت میں عوام براہ راست ریاست کی قانون سازی میں حصہ لیتے ہیں۔ قدیم یونانی شہری ریاستوں میں یہ طرز حکومت رائج تھا۔ اس وقت تمام شہری ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے اور سیاسی معاملات طے کرتے تھے۔ یہ اس وقت کی چھوٹی شہری ریاستوں میں ممکن تھا' لیکن جدید ریاست ایک بہت بڑی آبادی کی حامل ریاست ہوتی ہے' اس لئے اب یہ ممکن نہیں رہا۔ لیکن آج بھی سوئٹزرلینڈ کی بعض کینٹن مثلاً (Glarus) اور (Unterwalden) میں عوام اتوار کے دن دوپہر کے وقت ایک جگہ پر اکٹھے ہوتے ہیں اور قانون سازی میں براہ راست شرکت کرتے ہیں۔

2-بالواسطہ جمہوریت (Indirect Democracy): جدید ریاست میں عوام ایک مخصوص وقت کے لئے اپنے نمائندے قانون ساز اسمبلی میں بھیجتے ہیں' جو کاروبار حکومت چلاتے ہیں اور اپنی غلطیوں اور خامیوں کے لئے عوام کے آگے جوابدہ ہوتے ہیں۔ بالواسطہ جمہوریت میں عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے بالواسطہ طور پر قانون سازی میں حصہ لیتے ہیں۔

جمہوریت کی خوبیاں (Merits of Democracy): جدید ریاست میں جمہوریت پسندیدہ ترین طرز حکومت سمجھا جاتا ہے' لیکن اس کے باوجود دنیا میں شاید ہی کوئی ریاست ہو جہاں مکمل جمہوری نظام حکومت رائج ہو' کیونکہ جمہوریت ایک مشکل ترین نظام حکومت ہے۔ یہ عوام سے بہت سی چیزوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ ایک مکمل جمہوری نظام حکومت میں مندرجہ ذیل خصوصیات کا ہونا بہت ضروری ہے:

1-انتخابات (Election): انتخابات کا باقاعدہ انعقاد جمہوریت کی اولین شرط ہے کیونکہ انتخابات ہی واحد ذریعہ ہیں کہ جس سے لوگ اپنے منتخب کردہ نمائندگان کے ذریعے قانون سازی کرتے ہیں اور ریاست کے معاملات کو اپنی پسند کے مطابق چلاتے ہیں۔ اگر کسی ریاست میں باقاعدہ طور پر انتخابات نہیں ہوتے تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں پر مکمل جمہوری نظام رائج نہیں ہے۔

2-اکثریت کی حکومت (Government of Majority): جمہوریت کو عام طور پر اکثریت کی حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ جمہوریت میں جو پارٹی زیادہ ووٹ حاصل کرتی ہے اسی کو اقتدار سونپا جاتا ہے۔ اسی لئے اسے اکثریت کی حکومت کہا جاتا ہے۔ جو سیاسی جماعت ریاستی آبادی کے 50 فیصد سے زائد ووٹ حاصل کرتی ہے وہی حکومت کرتی ہے۔

3- سیاسی جماعتیں (Political Parties): جمہوریت کی تیسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام حکومت میں سیاسی جماعتیں دو یا دو سے زیادہ ہوتی ہیں جو کہ برسر اقتدار جماعت کی پالیسیوں پر کڑی تنقید کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ سیاسی جماعتیں عوام کی سیاسی تربیت بھی کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے بغیر کوئی بھی جمہوریت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ سیاسی جماعتوں کے بغیر جمہوریت کا سوچنا بالکل بے کار ہے۔

4- بنیادی حقوق (Fundamental Rights): جمہوری نظام حکومت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عوام کو بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں کیونکہ کسی بھی ریاست کو اس وقت تک جمہوری ریاست قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک اس ریاست میں عوام کو بنیادی حقوق میسر نہ ہوں۔ بنیادی حقوق سے مراد تحریر و تقریر کی آزادی، ضمیر کی آزادی، سوچنے کی آزادی، اجتماع کی آزادی وغیرہ ہیں۔ کوئی بھی جمہوری ریاست اپنے عوام کے بنیادی حقوق سلب کرنے کا اختیار نہیں رکھتی۔ اگر وہ ایسا کرتی ہے تو پھر وہ ریاست جمہوری نہیں بلکہ آمرانہ نظام کی حامل ہوگی۔ ہر جمہوری ریاست اپنے عوام کے سیاسی، معاشرتی، معاشی اور مذہبی حقوق کی حفاظت اپنا اولین فرض سمجھتی ہے۔

5- اظہار رائے کی آزادی (Freedom of Expression of Opinion): جمہوری طرز حکومت میں گو کہ اکثریت کی حکومت ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اقلیت کو بہ یک جنبش قلم مسترد کر دیا جاتا ہے، بلکہ اقلیت کی تنقید کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی کہ اکثریت کی تعریف کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اظہار رائے کی آزادی جمہوریت کی اعلیٰ ترین خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اظہار رائے کے بغیر جمہوریت کسی ریاست میں پنپ نہیں سکتی۔ جمہوریت کی نشوونما اور ریاستی استحکام کے لئے ضروری ہے کہ ریاست کے تمام افراد کو یکساں طور پر اظہار رائے کی مکمل آزادی ہو۔

6- آزاد عدلیہ (Independent Judiciary): جمہوریت کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ عدلیہ کو آزاد رکھا جاتا ہے۔ جج صاحبان کو ان کی نوکری کا تحفظ دیا جاتا ہے اور ان کو ہر قسم کے دباؤ سے آزاد رکھا جاتا ہے۔ قانون کی حاکمیت کے لئے عدلیہ کو قانون کی تشریح اور نظر ثانی کا اختیار دیا جاتا ہے۔ اگر کسی ریاست میں عدلیہ آزاد نہ ہو تو وہاں پر جمہوریت نشوونما نہیں پا سکتی ہے۔ برطانیہ اور امریکہ میں عدلیہ کو بہت زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں۔ پاکستان میں بھی گذشتہ چند سالوں سے عدلیہ کو کافی آزادی دی گئی ہے۔

7- جواب طلبی (Accountability): جمہوری طرز حکومت میں حکومت عوام کے سامنے جوابدہ ہوتی ہے۔ عام انتخابات میں عوام اپنے نمائندوں کا بھرپور احتساب کرتے ہیں۔

8- انتقال اقتدار (Transfer of Power): جمہوری طرز حکومت کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ عام انتخابات کے بعد اکثریتی پارٹی کو اقتدار منتقل ہو جاتا ہے اور یہ کام بڑا پر امن ہوتا ہے۔ کیونکہ انتقال اقتدار عوام کی مرضی اور منشا کے مطابق ہوتا ہے۔ اس لئے معاشرتی بے چینی یا افراتفری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جمہوری معاشرے میں عوام ایسی طاقت ہیں جو جب چاہیں حکومت کو اس کی غیر ذمہ داری یا غلط طرز عمل پر سبکدوش کر دیں۔

9- پر امن نظام حکومت (Peaceful Government System): جمہوری نظام حکومت پر امن ہوتا ہے چونکہ حکومت عوامی نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے جو بھی قانون سازی اسمبلی میں ہوتی ہے وہ بالواسطہ عوام کی امنگوں کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے کسی قسم کی بے چینی اور جھگڑے کا جواز پیدا نہیں ہوتا ہے۔

10- قانون کی حاکمیت (Rule of Law): جمہوری طرز حکومت کی ایک بڑی خصوصیت قانون کی حاکمیت ہے۔ ریاست کے کسی بھی فرد کو بلا جواز نہ تو گرفتار کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسے سزا دی جا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ تمام افراد ریاست کے قانون کے آگے یکساں حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔

جمہوریت کی خامیاں (Demerits of Democracy):

1- اکثریت کی حکومت: جمہوریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں فیصلے اکثریت سے ہوتے ہیں، خواہ اکثریت کا تناسب کتنا کم ہی کیوں نہ ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اکثریت میں اعلیٰ درجے کی قابلیت بھی پائی جاتی ہو۔ اس طرز حکومت میں اہلیت کی بجائے تعداد پر زیادہ زور دیا

جاتا ہے۔علامہ اقبال نے بجا کہا ہے:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

جمہوریت کے اس اصول کے مطابق جو حیثیت ایک احمق اور بے وقوف کی رائے ہے وہی تجربہ کار سیاست دان کی بھی ہے۔

2-سست رفتار نظام حکومت: جمہوری طرز حکومت میں معاملات بڑی سست رفتاری سے اور پیچیدہ مراحل سے گزر کر حل ہوتے ہیں اور بحث و مباحثہ کے ایک طویل عمل سے گزرنا پڑتا ہے اور کسی فیصلے تک پہنچنے کے لیے کافی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

3-نااہل افراد کے انتخاب کا خدشہ: جمہوریت اس نظریے کی علمبردار ہے کہ ہر شخص قابل اور سمجھدار ہوتا ہے۔اس پر اعتراض یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کا نہ تو سیاسی شعور بیدار ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ووٹ کی صحیح قدر و قیمت جانتے ہیں۔اکثریت میں اتنی عقل نہیں ہوتی کہ وہ بہتر اور باصلاحیت افراد کا چناؤ کر سکیں۔اس طرح حکومت نااہل افراد کے ہاتھوں میں جانے کا خدشہ ہوتا ہے۔

4-ہنگامی حالات کے لیے غیر موزوں: ہنگامی حالات میں جمہوریت غیر مستعد ہوتی ہے کیونکہ اس طرز حکومت میں تمام فیصلے بحث و تمحیص کے بعد اور دیر سے کیے جاتے ہیں جس میں بہت سا وقت ضائع ہو جاتا ہے۔فیصلہ سازی کے سست عمل کے باعث جمہوری نظام ہنگامی حالات میں اکثر اوقات ناکام نظر آتا ہے۔

5-پارٹی بازی: جمہوریت کی ایک اور کمزوری جماعتی نظام ہے کیونکہ اس میں پارٹی بازی کا جذبہ بہت شدید ہوتا ہے۔یہ طرز حکومت تمام قوم کو پارٹیوں، گروہوں اور دھڑوں میں تقسیم کر دیتی ہے جو اپنے مفاد کی خاطر قوم کے مفاد کو قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔اس سے ملک کی بقا اور سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔بقول لارڈ برائس "سیاسی جماعتیں عدم استحکام اور جمود کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔"

6-بے جا اسراف: جمہوریت ایک مہنگا اور کثیر المصارف طرز حکومت ہے جس پر بہت زیادہ خرچ ہوتا ہے۔عدلیہ، انتظامیہ اور قانون ساز ادارے بہت وسیع اور پیچیدہ ہوتے ہیں۔ہر وقت کہیں نہ کہیں انتخابات ہوتے ہی رہتے ہیں، انتخابات پر کروڑوں روپے صرف کر دیئے جاتے ہیں اس لیے یہ غریب اور ترقی پذیر ممالک کے لیے موزوں طرز حکومت نہیں ہے۔ایک غریب ملک میں معیشت اتنی مستحکم نہیں ہوتی کہ وہ اتنے اخراجات کا متحمل ہو سکے۔

7-پالیسی میں تسلسل کا فقدان: اس نظام میں حکومتیں جلدی جلدی تبدیل ہوتی ہیں اس لیے اس میں حکومتی پالیسیوں کا تسلسل قائم نہیں رہتا۔اس طرح ملک اور عوام نئی اور پرانی پالیسیوں کے چکر میں الجھے رہتے ہیں۔حکومتوں کے عدم استحکام کی وجہ سے ملک دوسرے ممالک کی نظر میں بدنام ہو جاتا ہے اور اس کی پالیسیوں پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔

جمہوریت کے لوازمات (Conditions for Democracy): جمہوریت کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جمہوری لوازمات کو ریاست میں بھرپور طریقے سے رائج کیا جائے۔اگر وہ لوازمات رائج نہ ہوں تو وہ ریاست جمہوریت کی پاسداری کی دعویدار نہیں ہو سکتی۔جمہوریت کی کامیابی کے لئے درج ذیل لوازمات کا ہونا از حد ضروری ہے:

1-باشعور عوام (Enlightened Masses): جمہوریت کی کامیابی کے لئے سب سے بڑی اور اولین شرط یہ ہے کہ عوام انتہائی باشعور ہوں۔ان کو اتنی سمجھ بوجھ ہو کہ ان کے لئے کیا اچھا ہے اور کیا برا ہے۔جب کسی ریاست کے عوام اپنے اچھے برے میں تمیز کرنے کا شعور رکھتے ہیں تو وہاں پر جمہوریت کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔مثال کے طور پر دوسری جنگ عظیم میں چرچل نے برطانیہ کو فتح دلوائی، لیکن وہ جنگ کے فوراً بعد عام انتخابات میں ایٹلی سے شکست کھا گیا۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ برطانوی عوام کس قدر باشعور تھے۔وہ جانتے تھے کہ جنگ جیتنے کے بعد چرچل جنگی ہیرو بن چکے ہیں اور اب وہ دوبارہ وزیراعظم منتخب ہو کر ملک کو کسی اور جنگ میں بھی دھکیل سکتے تھے۔اس متوقع جارحانہ رویہ کو مدنظر رکھتے ہوئے برطانوی عوام نے ایٹلی کو وزیراعظم منتخب کیا۔عوام اگر باشعور نہیں ہوں گے تو پھر وہ نام نہاد سیاسی زعما کے ہاتھوں کٹھ پتلیاں بنے رہیں گے۔

2- تعلیم (Education): جمہوری حکومت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں تعلیمی نظام ترجیحی بنیادوں پر قائم ہو' کیونکہ تعلیم ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے عوام میں اچھے برے کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔ پاکستان اور بھارت میں شرح خواندگی اتنی زیادہ نہیں ہے' اسی لئے ان دونوں ممالک میں جمہوریت اپنی اصل روح میں نافذ العمل نہیں ہے۔ جب کہ برطانیہ اور امریکہ میں شرح خواندگی زیادہ ہے اس لئے وہاں پر جمہوریت زیادہ کامیابی سے سرگرم عمل ہے۔ لاسکی کہتا ہے:

"تعلیم جمہوریت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔"

3- کردار اور قابلیت (Character and Ability): تعلیم انسان میں شعور پیدا کرتی ہے کہ جس سے انسان اچھے برے کی تمیز کرنا سیکھتا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے کردار پر بہت مثبت اثر چھوڑتی ہیں اور ریاست کے افراد میں قابلیت کے معیار کو بلند کرتی ہیں۔ باکردار اور قابل عوام ہی جمہوریت کی کامیابی کی ضمانت بن سکتے ہیں' کیونکہ وہی جمہوریت کے تقاضوں کو سمجھ سکتے ہیں اور ان تقاضوں کو پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

4- رواداری اور ذمہ داری (Tolerance and Responsibility): رواداری اور ذمہ داری کے بغیر جمہوری معاشرے کی تشکیل بالکل ناممکن بات ہے۔ جب معاشرہ تعلیم یافتہ اور مہذب ہوگا تو رواداری اور ذمہ داری کا احساس ریاست کے افراد میں بدرجہ اتم موجود ہوگا۔ جب اکثریت کو اقلیت پر بے جا برتری حاصل نہیں ہوگی تو معاشرہ پرسکون اور خوشحال ہوگا۔ خوشحالی ہوگی تو ترقی ہوگی جس سے ریاست پوری دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

5- ایماندار قیادت (Honest Leadership): جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ ریاست میں قیادت ایماندار ہو' جو ریاست کے معاملات کو سنجیدگی سے چلائے اور مفاد پرستی اور اقربا پروری سے کام نہ کرے۔ کیونکہ یہ وہ سماجی برائیاں ہیں جو رشوت خوری' بدعنوانی اور ذخیرہ اندوزی کو معاشرے میں رواج دیتی ہیں۔ اس لئے ان تمام سماجی برائیوں پر صرف اسی وقت قابو پایا جا سکتا ہے جب حکومت کا کاروبار ایماندار اور باکردار قیادت کے ہاتھوں میں ہو۔

6- باقاعدہ انتخابات کا انعقاد (Holding Regular Elections): باقاعدہ انتخابات کا انعقاد جمہوریت کی اولین شرائط میں سے ہے۔ کیونکہ اگر ریاست میں انتخابات مستقل اور باقاعدہ نہ کروائے جائیں تو جمہوری اقدار کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ملک میں بے چینی اور اضطراب کی کیفیت بڑھ جاتی ہے' کیونکہ انتخابات نہ کروانے سے عوام کی امنگوں اور خواہشات کا خون ہو جاتا ہے جو کہ جمہوریت کے قتل کے مترادف ہے۔

7- بنیادی حقوق (Fundamental Rights): بنیادی حقوق جمہوری معاشرے کی اصل روح ہوتے ہیں۔ معاشرہ کے تمام افراد کو یکساں طور پر بنیادی حقوق حاصل ہونا ضروری ہے' کیونکہ اگر معاشرے میں یکساں سیاسی' معاشرتی اور مذہبی حقوق نہ ہوں تو معاشرہ انتشار اور بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔

8- آزاد عدلیہ (Independent Judiciary): آزاد عدلیہ ہی جمہوریت کے معاملہ کو حل کر سکتی ہے' کیونکہ اگر عدلیہ آزاد نہیں ہوگی تو افراد کے بنیادی حقوق سلب کر لئے جائیں گے اور جب عوام کو بنیادی حقوق ہی میسر نہ ہوں گے تو پھر جمہوریت کی پاسداری نہ ہو سکے گی۔ اس لئے آزاد عدلیہ کا قیام جمہوریت کی اہم شرائط میں سے ایک ہے۔ عدلیہ کو انتظامیہ اور مقننہ کے دباؤ سے مکمل طور پر آزاد اور جج صاحبان کو مکمل طور پر تحفظ حاصل ہونا چاہئے۔

9- معاشی مساوات (Economic Equality): جمہوری معاشرے میں معاشی مساوات کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ہر فرد کو اپنی اہلیت اور قابلیت کے مطابق روزی کمانے کے یکساں مواقع مہیا ہونے چاہئیں۔ افراد کو مکمل طور پر آزادی حاصل ہو تا کہ وہ آزادانہ طور پر معاشی معاہدے کر سکیں۔ معاشی عدم مساوات معاشرے میں اشرافیت کو جنم دیتی ہے۔

10- آئین کی بالادستی (Constitutional Supremacy): جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آئین کو امور ریاست میں بالادستی حاصل ہو اور کوئی بھی ادارہ یا انجمن آئین سے بالاتر نہ ہو۔ کیونکہ اگر آئین کی بالادستی کو قائم نہ رکھا جائے تو ریاست میں آئے دن انقلاب اور شورشیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں پچپن سالوں میں 4 مارشل لاء (1958ء، 1970ء، 1977ء، 1999ء) آچکے ہیں، کیونکہ آئین کی بالادستی کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ برطانیہ اور امریکہ میں چونکہ آئین کو بالادستی حاصل ہے اسی لئے وہاں پر جمہوریت کامیاب ہے۔

11- فوج اور بیوروکریسی کا کردار (Role of Military and Bureaucracy): جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ فوج اور بیوروکریسی اپنی اپنی جگہ پر اپنے اپنے فرائض کو بہ احسن سرانجام دیں۔ فوج کا کام سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے اور سول بیوروکریسی کا کام ریاست کی پالیسیوں کو قومی اور بین الاقوامی سطح پر کامیاب کروانا ہے۔ عوام کی خدمت سے سرشار ہو کر جمہوریت کے فروغ کے لئے اپنے فرائض کو بطریقِ احسن انجام دینا چاہئے تاکہ ملک و قوم ترقی کی راہ پر گامزن ہو سکیں۔

12- لامرکزیت (Decentralization): جمہوریت کے قیام کے لئے صوبوں اور مرکز کے اختیارات کی تقسیم بہت ضروری ہے، کیونکہ اس طرح عوام میں علاقائی تعصبات فروغ نہیں پاتے۔ پاکستان کو ابتدا ہی سے صوبائیت کے بحران سے دوچار ہونا پڑا اور آخر کار 1971ء میں پاکستان دو ٹکڑے ہو گیا۔ اس لئے اگر شروع میں ہی لامرکزیت کے اصول کو پختہ بنیادوں پر اپنایا جاتا تو ہمیں سقوط ڈھاکہ جیسی ذلت نہ اٹھانا پڑتی۔ جمہوریت کو قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ریاست میں صوبوں کی سطح پر میونسپل ادارے وجود میں لائے جائیں جو عوام کی سیاسی تربیت کے لئے پرائمری سکول کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

13- سیاسی مساوات (Political Equality): جمہوریت کی کامیابی کے لئے سیاسی مساوات کا ہونا ضروری ہے، جب تک عام آدمی قانون ساز اسمبلیوں تک نمائندگی حاصل نہیں کرے گا، اس وقت تک عوام کی پکار حکومت تک نہیں پہنچے گی۔ صرف جاگیردار اور سرمایہ دار ہی قانون سازی کے مستحق نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ تعلیم یافتہ اور باکردار افراد کو اسمبلیوں میں نمائندگی ملنی چاہئے۔

14- سیاسی پارٹیاں (Political Parties): سیاسی پارٹیاں جمہوری نظام میں ایک ایسے تیل کا کردار ادا کرتی ہیں جو سیاسی مشینری میں تمام پرزوں میں روانی اور تیزی پیدا کرتا ہے۔ سیاسی پارٹیوں کے بغیر نہ تو حکومتی جماعت کو آمرانہ من مانیوں سے روکا جا سکتا ہے اور نہ ہی عوامی مطالبات کو حکومت تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ عوام کی سیاسی تربیت کے لئے بھی سیاسی پارٹیوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

15- قومی مفادات کا تحفظ (Protection of National Interests): جمہوریت کی کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے کہ ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح نہ دی جائے۔ تیسری دنیا کے زیادہ ممالک میں ذاتی مفادات کو قومی مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے، جس سے قومی سطح پر کوئی ترقی نہیں ہوتی اور عوامی سطح پر دولت کی ریل پیل ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں قومی تعمیر کا کام پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ریاستی قیادت قومی مفادات کو پوری طرح تحفظ فراہم کرے۔

16- شخصیت پرستی (Personality Worshipping): جمہوریت کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ شخصیت پرستی سے کام نہ لیا جائے، بلکہ عوام کو چاہئے کہ ایماندار اور صالح قیادت کا انتخاب کریں۔ کیونکہ بعض اوقات کسی شخصیت کی کرشماتی خصوصیات عوام پر اس قدر حاوی ہو جاتی ہیں کہ عوام اندھا دھند اس شخصیت کی تقلید شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے بعد میں پوری قوم کو اجتماعی سطح پر سیاسی و مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے عوام کو چاہئے کہ وہ ایسے سیاسی زعما کی چرب زبانی سے بالکل متاثر نہ ہوں، ورنہ وہ خود ہی جمہوری اقدار کے خون کے ذمہ دار ہوں گے۔ 1962ء میں صدر ایوب کے (Charisma) نے آئینی سطح پر ملک کا خاطر خواہ نقصان کیا۔

اسلام اور جمہوریت
(Islam and Democracy)

سوال: ایک اسلامی سیاسی نظام کو جمہوریت کے جدید تصور سے کس حد تک مماثلت دی جا سکتی ہے؟ تفصیل سے روشنی ڈالئے۔

جواب:

اسلام کا تصور جمہوریت
(Islamic Concept of Democracy)

اسلام ایک عالمگیر دین ہے، جس کی منفرد اور جامع اقدار ہیں۔ یہ دین کسی ایک فرد، قبیلے، گاؤں، شہر یا ریاست کے لئے نہیں ہے بلکہ تمام کائنات کے لئے ذریعہ نجات و راہنمائی ہے۔ اکثر مصنفین اسلامی سیاسی نظام کا مغربی تصور جمہوریت کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں یا پھر اسلامی طرز حکومت کو اصل جمہوری طرز حکومت قرار دیتے ہیں۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، اسلامی نظام کے تمام تر اصول و ضوابط قرآن میں تحریری شکل میں ملتے ہیں جب کہ ان اصول و ضوابط کی عملی شکل حضورؐ کی حیات طیبہ ہے۔ اس لئے اسلام نے جو طرز معاشرت متعارف کروایا ہے وہ دنیا کے تمام نظاموں سے منفرد اور اپنی مثال آپ ہے۔ اس لئے اسلامی طرز حکومت کا مغربی تصور جمہوریت سے تقابل کرنا یا اسلامی نظام حکومت کو جمہوری قرار دینا اتنا صحیح معلوم نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ تو قرآن میں اسلامی طرز حکومت یا سیاسی نظام کو جمہوریت کا نام دیا گیا ہے اور نہ بادشاہت کا بلکہ صرف اور صرف اسلامی نظام حکومت یا اسلامی طرز معاشرت یا اسلامی تہذیب و تمدن کے نام ہی تاریخی طور پر سامنے آتے ہیں۔ ویسے بھی اگر بغور دیکھا جائے تو اسلامی نظام حکومت کو اصلی جمہوریت کہنا زیادتی ہوگی۔ کیونکہ اسلام نے خلیفہ یا امام کے چناؤ کے لئے نہ صرف امام کی خصوصیات بتائی ہیں بلکہ ووٹر کی یا سربراہ مملکت کا انتخابات کرنے والوں کی بھی خصوصیات بتائی ہیں۔ اسی طرح جمہوریت اکثریت کی حکومت ہے، جب کہ اسلام میں اکثریت کی حکومت کا کوئی تصور نہیں ملتا۔ بلکہ صرف اللہ تعالیٰ جو کہ وحدہ لاشریک ہے، کی حکومت کا تصور ملتا ہے۔ اس لحاظ سے مغربی یا جدید جمہوریت میں عوام (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے اسلامی نظام حیات ایک منفرد نظام ہے، اس کو جمہوری نظام کہنا بالکل بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا ہے۔ دوسری دلیل اسلامی نظام کے منفرد ہونے کی یہ ہے کہ جمہوریت میں پارلیمنٹ میں حزبِ اقتدار اور حزب اختلاف کا ہونا ضروری ہے۔ حزب اقتدار کا کام قانون بنانا اور انہیں نافذ کرنا ہے، جب کہ حزب اختلاف کا کام حزب اقتدار پر ہر حال میں تنقید کرنا ہے جب کہ اسلامی نظام میں نہ تو کوئی حزب اقتدار ہے اور نہ ہی حزب اختلاف، بلکہ مجلس شوریٰ کا ہر رکن حزب اقتدار اور حزب اختلاف ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت سنبھالتے ہوئے کہا "اگر میں اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات کے مطابق کام کروں تو میری اطاعت کرنا ورنہ میری اطاعت کرنا تم پر لازم نہیں۔"

اسلامی طرز حکومت میں سربراہ مملکت کو راہ راست پر رکھنا ہر فرد کا فرض ہے اور اگر وہ راہ راست پر ہے تو اس کی اطاعت بھی ہر فرد پر فرض ہے۔ اختلاف کا جواز ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہوریت نام کی چیز اسلامی طرز حکومت میں روز اول سے ہی موجود نہیں، بلکہ اسلامی طرز حکومت جمہوریت سے بھی بہتر اور اعلیٰ نظام حکومت ہے۔

تیسری بڑی دلیل اسلامی طرز حکومت کے جمہوری نہ ہونے کی کچھ اس طرح سے ہے کہ جمہوریت میں عالم اور ان پڑھ کا ووٹ ایک ہی وزن کا حامل ہے، جو کہ فطرت کے خلاف بات ہے۔ مثلاً جمہوری ریاست میں بھی صدر یا وزیراعظم امور سلطنت کے سلسلے میں چپڑاسی یا کلرک سے مشورہ نہیں لیتا بلکہ متعلقہ ماہرین سے ہی مشورہ لیتا ہے۔ اسی وجہ سے پھر چپڑاسی، کلرک اور آفیسر کی تنخواہوں میں بھی تفاوت پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایک چپڑاسی قانون پر لیکچر نہیں دے سکتا، اس کے لئے ایک قانون دان ہی مناسب رہے گا۔ بہرحال مختصر یہ کہ اسلامی سربراہ مملکت کو منتخب کرتے وقت ہمیشہ دیندار، ایماندار اور دانشمند لوگ آپس میں مشورہ کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن میں ارشاد ہے:

"علم والے اور جاہل برابر نہیں ہیں۔"

جبکہ جدید جمہوریت میں معاشرتی تفاوت کے باوجود عالم اور جاہل کا ووٹ ایک ہی حیثیت کا حامل ہے۔ اسی پر اقبال نے کہا تھا:

جمہویت ایک طرز حکومت ہے کہ جس میں

بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اگر اسلامی نظام کو جمہوری قرار دیا جا سکتا ہے' تو پھر اسلامی نظام کو اسلامی سوشلزم یا اسلامی کمیونزم بھی کہہ دینا چاہئے' کیونکہ سوشلزم میں بھی بہت سی اقدار اسلامی اقدار سے ملتی جلتی ہیں۔ اسی طرح کمیونزم کی بہت سی اقدار بھی اسلامی نظام سے ملتی جلتی ہیں۔ یہاں صرف یہ واضح کرنا ہے کہ دراصل اسلامی نظام جمہوری نہیں ہے' یہ صرف ایک اسلامی نظام ہے' جس کی اپنی منفرد اقدار ہیں۔ مساوات' اخوت' رواداری اور قانون کی حاکمیت اپنی اصل حالت میں صرف اور صرف اسلامی نظام میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ اقدار ایک جمہوری نظام کی خصوصیات ہیں تو وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں' عملی طور پر جدید ریاست میں نام نہاد کامیاب ترین جمہوریت برطانیہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ کیا وہاں پر رواداری یا قانون کی حاکمیت اصلی حالت میں موجود ہے؟ کیا وہاں پر گورے اور کالے کا فرق نہیں پایا جاتا؟ مساوات کے اصولوں کی دھجیاں سب سے زیادہ برطانیہ میں ہی اڑائی جاتی ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ اسلامی نظام اپنے اندر ایک جامعیت رکھتا ہے۔ جس کا اپنا ایک علیحدہ اور منفرد مقام ہے اور اس سے دوسرے نظاموں کی مشابہت ثابت کرنا بالکل بے کار ہے۔ اسلامی نظام حکومت ایک اپنا تہذیب و تمدن' بودوباش اور طرز معاشرت رکھتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے اور غلطی اور ناانصافی سے پاک ہے۔ اس میں حاکمیت اللہ کی ہے اور انسان کو اس کا نائب بنا کر بھیجا گیا ہے' جو اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور ہے اور مشاورت میں دانشمند اور دیندار لوگوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ انسانوں میں برتری صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ معاشرتی رتبے کے لحاظ سے کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔ رنگ و نسل کے اعتبار سے کوئی کسی سے اعلیٰ و برتر نہیں۔ اب کچھ مغربی مفکرین کی آرا پر بھی نظر ڈال لی جائے' جس میں انہوں نے جمہوریت کی ریشہ دوانیوں پر بحث کی ہے۔ ماہر سیاسیات (Burke) کا کہنا ہے:

> ''اکثریت کے فیصلے کو تسلیم کرنا کوئی فطرت کا قانون نہیں ہے۔ کم تعداد بعض اوقات زیادہ مضبوط طاقت بھی ہو سکتی ہے اور اکثریت کی حرص و آز کے مقابلے میں اس کے اندر زیادہ معقولیت بھی ہو سکتی ہے۔''

جمہوریت کی شرائط اور خوبیوں پر بحث کرتے ہوئے ماہرین کہتے ہیں کہ جمہوریت کی تاریخ بتاتی ہے کہ یہ شرائط شاذ و نادر ہی پوری ہوتی ہیں۔ عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ تعداد پر رہتی ہے' کیفیت پر رہتی ہے نہیں' اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں' انہیں تولا نہیں جاتا۔

پس مذکورہ دلائل سے یہ بات سامنے آئی کہ اسلام کا طرز حکومت نہ تو جمہوری ہے اور نہ ہی شخصی' وہ اپنی مثال آپ ہے اور لازوال ہے۔ جدید نظام اس کا مقابلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے بلکہ ان میں موجود چند ایک خوبیاں بھی اس نظام سے مستعار لی گئی ہیں۔ جدید نظاموں سے قطع نظر اسلامی طرز حکومت ہر سقم اور کمزوری سے یکسر پاک نظام ہے۔

آمریت
(Dictatorship)

سوال: آمریت کی نمایاں خصوصیات بیان کیجئے۔ نیز اس کی خامیوں کی واضح طور پر نشاندہی کیجئے۔

- آمریت کی تعریف کریں اور اس کی خصوصیت پر بحث کریں۔
- آمریت کی تعریف کریں نیز اس کی اقسام و خصوصیات بھی تحریر کریں۔
- آمریت سے کیا مراد ہے؟ آمریت کی خوبیاں اور خامیاں بیان کریں۔

جواب:

آمریت کا مفہوم
(Meaning of Dictatorship)

آمریت ایسا طرز حکومت ہے' جس میں فرد واحد تمام اختیارات کا مالک ہوتا ہے' جسے آمر یا ڈکٹیٹر (Dictator) کا نام دیا جاتا ہے۔ ڈکٹیٹر

لاطینی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے' مطلق العنان اختیارات کا مالک شخص۔ آمریت میں فرد واحد تمام احکام جاری کرتا ہے۔ وہ قانون بناتا نہیں بلکہ اس کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ قانون کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ جب چاہے کسی کو موت کی سزا دے دے اور جب چاہے کسی کو زندگی کا پروانہ ہاتھ میں تھما دے۔

آمریت کی تعریف (Definition of Dictatorship): آمریت ایک فرد کے ہاتھ میں مکمل اقتدار کا نام ہے' جو عوامی حمایت کو حاصل کرنا ضروری نہ سمجھے۔

فورڈز (Fords): "آمریت سربراہ مملکت کا قانون سے بالاتر یا قانون سے زیادہ اختیارات کو اپنے ہاتھوں میں لینے کا نام ہے۔"

الفریڈ کوبان (Alfred Cobban): "آمریت ایسا طرز حکومت ہے جس میں فرد واحد اپنی حکومت اپنے زور بازو سے بناتا ہے۔ وہ مطلق العنان اقتدار اعلیٰ کا مالک ہوتا ہے۔ تمام سیاسی اختیارات اس کی مرضی اور منشا کے تابع ہوتے ہیں۔ اس کے یہ اختیارات غیر محدود حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔"

آمریت کی اقسام (Kinds of Dictatorship): آمریت دور جدید میں سترھویں صدی میں کرامویل نے برطانیہ میں قائم کی اور اٹھارھویں صدی میں نپولین نے فرانس میں اپنی آمریت قائم کی۔ اس طرح 1922ء میں مسولینی نے اٹلی میں اور 1933ء میں ہٹلر نے جرمنی میں آمریت قائم کی۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد مختلف ممالک میں شخصی اور فوجی آمریتوں نے جنم لیا۔ آمریت کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

1- رومن آمریت (Roman Dictatorship): رومن آمریت دراصل جدید آمریت سے یکسر مختلف تھی کیونکہ رومن اپنے اندرونی خلفشار کو دبانے کے لئے خود ہی کسی ایک شخص کو مکمل اقتدار سونپ دیتے تھے۔ کم از کم سات سال تک ایک ہی شخص لامحدود اختیارات کے ذریعے حکومت کرتا تھا۔

2- فوجی آمریت (Military Dictatorship): فوجی آمریت کا آغاز کرامویل نے سترھویں صدی میں برطانیہ سے کیا۔ اس طرح نپولین بوناپارٹ نے فرانس میں فوجی آمریت قائم کی۔ بیسویں صدی میں مصر میں جمال عبدالناصر' پاکستان میں ایوب' یحیٰ اور ضیاء الحق نے فوجی آمریت قائم کی۔ عراق میں صدام حسین فوج کی مدد سے برسراقتدار آیا۔ فوجی آمریت ہمیشہ فوج کے ذریعے برسراقتدار رہتی ہے۔ فوجی آمریت بعض ملکوں میں امن وامان برقرار رکھتی ہے۔ جیسے پاکستان میں 1958ء میں ایوب خان کے مارشل لا کو عوام نے خوب سراہا تھا۔ اسی طرح 1977ء میں ضیاء الحق کے مارشل لا کو بھی عوام نے بہت زیادہ پذیرائی بخشی۔

3- طبقاتی آمریت (Sectarian Dictatorship): انیسویں صدی کے وسط میں مشہور جرمن فلسفی کارل مارکس نے کمیونزم کا نظریہ پیش کیا۔ اس نے کہا کہ عنقریب مزدور طبقہ کی آمریت قائم ہو جائے گی اور سرمایہ دار طبقہ شکست کھا جائے گا۔ چنانچہ 1917ء میں روس میں انقلاب آیا۔ لینن کی قیادت میں انہوں نے مزدور طبقہ کی آمریت قائم کر دی۔ لینن کے بعد سٹالن نے کمیونزم کے مخالف عناصر کو مکمل طور پر کچل دیا۔

4- پارٹی آمریت (Party Dictatorship): پارٹی آمریت سے مراد ایسی آمریت ہے جو ایک گروہ یا پارٹی کے ذریعے وجود میں آتی ہے۔ مثلاً 1922ء میں اٹلی میں مسولینی کے تحت فاشسٹ جماعت نے آمریت قائم کی اور 1933ء میں ہٹلر نے نازی پارٹی کے ذریعے جرمنی میں آمریت قائم کی۔

مندرجہ بالا آمریت کی اقسام سے پتہ چلتا ہے کہ آمریت دراصل ذاتی مفادات کی خاطر وجود میں آئی۔ کہیں بھی قومی مفاد مدنظر نہ تھا۔ اگر کہیں قومی مفادات کی بات کی بھی گئی تو وہ محض دکھاوے کے طور پر کی گئی۔

سوال: آمریت کی خصوصیات بیان کیجئے۔ (گوجرانوالہ بورڈ 2015ء)

جواب: آمریت کی خصوصیات (Characteristics of Dictatorship):

1- ریاست پرستی (State Worshipping): ریاست کو آمروں نے فرد کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی ہے۔ ریاست ایک کل کی

حیثیت رکھتی ہے جب کہ فرد ایک جزو ہے۔ آمر ہمیشہ اپنی عوام کو ریاست پر قربان ہونے کا درس دیتے ہیں۔ مسولینی کا کہنا تھا کہ ''ریاست میں پائی جانے والی ہر چیز ریاست کے تابع ہے۔ کوئی چیز ریاست سے بالاتر نہیں اور نہ ہی اس کی مخالفت کر سکتی ہے۔''

آمریت میں ریاست اور معاشرہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا اور ریاست کو فرد کی ذاتی زندگی میں مداخلت کا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

2- یک جماعتی سربراہ (One Party Ruler): آمریت میں صرف ایک ہی جماعت ہوتی ہے جو برسر اقتدار ہوتی ہے۔ حزب اختلاف کا تصور نہیں پایا جاتا اور ہر قسم کے مخالف کو کچل دیا جاتا ہے۔ برسر اقتدار سربراہ ہی پوری جماعت کی قانون سازی اور اس کے نفاذ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ مقننہ کے ارکان محض دکھاوے کے لئے ہوتے ہیں۔

3- استبدادیت (Violence): آمریت میں تشدد کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ ہر کام کروانے کے لئے تشدد اور استبدادیت سے کام لیا جاتا ہے۔ لیکن بعض اوقات رعایا کو کچھ مراعات دے کر ان کے دلوں میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

4- جارحیت پسندی (Aggressiveness): آمریت میں جارحیت کو بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔ مسولینی کا کہنا یہ ہے کہ:

"War is as necessary for a man as delivery is necessary for a woman."

جارحیت سے آمر کو دوہرا فائدہ پہنچتا ہے: ایک تو اس کی توسیع پسندی کے عزائم پورے ہوتے ہیں، دوسرا یہ کہ اس کی قوم کی توجہ جنگ کی طرف مبذول رہتی ہے۔ جس سے وہ آمر کے عزائم کی طرف توجہ نہیں دے پاتے۔

5- آزادی کا فقدان (Lackness of Freedom): آمریت میں آزادی سے متعلق تمام اداروں کو برسر اقتدار آتے ہی کچل دیا جاتا ہے اور کسی شخص کو آزادی اظہار پر قید و بند کی صعوبتوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس سے تقریر کا حق بالکل چھین لیا جاتا ہے۔ اس کو ضمیر کے مطابق کام کرنے سے روک دیا جاتا ہے۔ عوام کے جلسے جلوسوں پر مکمل پابندی لگا دی جاتی ہے اور کسی کو بھی کوئی کام اپنی آزادی سے کرنے کا اختیار بالکل نہیں ہوتا۔

6- ملکی میڈیا پر کنٹرول (Control of National Media): آمر ملک کے ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے اور اسے اپنی مرضی اور منشا کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ اخبارات، ٹی وی، ریڈیو سب پر آمر اپنی خوبیوں سے بھرپور پروپیگنڈہ مہم جاری رکھتا ہے تاکہ رائے عامہ کو زیادہ سے زیادہ اپنے حق میں ہموار کر سکے حتیٰ کہ تعلیمی اداروں میں بھی آمر ایسا نظام تعلیم رائج کرتا ہے جس سے طلبا کے درمیان آمر کو ایک نجات دہندہ اور اعلیٰ ترین شخص کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ وہی طلبا جب عام زندگی میں قدم رکھتے ہیں تو آمر کی خوبیوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ کہیں بھی اگر مخالفت کے بیج بوئے جا رہے ہوں تو ان کو نمو پانے سے پہلے ہی کچل دیا جائے۔

7- معاشی خوشحالی (Economic Prosperity): آمریت میں آمر معاشی خوشحالی کا پروپیگنڈہ کرتا ہے اور ریاست کے افراد کو ریاست کی خوشحالی کے لئے اپنی جان تک قربان کر دینے کی ترغیب دیتا ہے۔ آمر ایک منصوبے کے تحت برسر اقتدار آتے ہی معاشرے کے افراد کی معاشی مشکلات کو کم کرتا ہے، جس سے اکثریت آمر کے حق میں نعرے لگاتی ہے اور اس کی معاشی منصوبہ بندی کے گیت گاتی ہے۔

8- حقوق اور مراعات (Rights and Facilities): آمریت میں شہریوں کے بنیادی حقوق عام طور پر غصب کر لیے جاتے ہیں اور کسی شخص کو بھی اپنے ضمیر کے مطابق کام کرنے کی مطلق آزادی نہیں ہوتی۔ آمر بڑی عیاری اور چالاکی سے کچھ مراعات افراد معاشرہ میں متعارف کرواتا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں آمر کے لئے نرمی اور شفقت کے جذبات موجود رہیں۔ آمریت میں حقوق اور مراعات میں واضح فرق رکھا جاتا ہے۔ وہ لوگوں کو زیادہ خوش حال نہیں دیکھ سکتا، اس لئے لوگوں سے تمام مراعات چھین لیتا ہے جو انہیں خوشحالی اور آزادی کی طرف رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔

9- ہوس ملک گیری (Lust for Aggrandizement): ہر آمر اپنے ملک کی سرحدوں کو وسعت دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے اور جونہی اسے کسی ریاست کی کمزوری کا پتہ ملتا ہے تو وہ فوراً اس ریاست پر چڑھائی کر دیتا ہے۔ یہ ہوس ملک گیری معاشرہ کے افراد کو ہر وقت اضطراب اور بے چینی کی کیفیت میں رکھتی ہے اور ایسی حالت میں وہ کسی طور پر بھی آزادی اور حقوق کے حصول کے لئے مجتمع نہیں ہو پاتے۔ مسولینی،

نپولین اور ہٹلر پوری دنیا پر حکومت کرنا چاہتے تھے۔اس لئے وہ آئے دن اردگرد کی ریاستوں پر چڑھائی کر دیتے تھے۔

10- قومی یک جہتی کا پروپیگنڈہ(Propaganda of National Integration): آمر اپنی مطلق العنانیت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے عوام کومختلف طریقوں سے سبز باغ دکھاتا ہے' کیونکہ آمریت عام طور پر ملکی فسادات یا اندرونی انتشار کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔آمر ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھاتا ہے اور ملکی امن وامان کے قیام کے لئے اپنے آپ کو ایک مصلح قوم اور نجات دہندہ کے طور پر عوام کے سامنے پیش کرتا ہے' کیونکہ ذرائع ابلاغ مکمل طور پر آمر کی مرضی اور منشا کے عین مطابق ہوتے ہیں۔

11- فرد واحد کی حکومت(One-Man Government): آمریت میں آمر مطلق اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ریاست کے تمام شعبے ہر کام آمر سے پوچھ کر کرتے ہیں۔قانون ساز ادارہ قانون بناتے وقت آمر کی پسند کو سرفہرست رکھتا ہے۔اس طرح انتظامیہ قانون نافذ کرنے میں آمر کی مرضی کو مدنظر رکھتی ہے۔عدلیہ تمام فیصلے آمر کی مرضی کے مطابق دیتی ہے۔آمر نے جان بوجھ کر دکھاوے کے لئے مقننہ' انتظامیہ اور عدلیہ کے ادارے تشکیل دیئے ہوتے ہیں تاکہ عوام میں بے چینی اور اضطراب جنم نہ لیں۔

آمریت کی خوبیاں (Merits of Dictatorship): آمریت کے ہاتھوں انسانیت کو اتنے نقصانات پہنچے ہیں کہ اسے سراہنا ممکن نہیں' لیکن پھر بھی کچھ خوبیاں ایسی ہیں جو بہر حال تسلیم کی جاسکتی ہیں۔

1- کفایت شعار(Economical): آمریت ایک کفایت شعار حکومت ہوتی ہے کیونکہ جمہوریت میں مقننہ کے اراکین کی تنخواہوں اور سہولیات وغیرہ پر بہت زیادہ خرچ آجاتا ہے۔اس کے علاوہ اور بہت سے ادارے ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے وجود کے لئے بہت زیادہ پیسہ خرچ ہوتا ہے جبکہ آمریت میں فرد واحد کے پاس اختیارات ہونے سے کم خرچ ہوتا ہے۔

2- ہنرمند اور محنتی افراد(Skilful and Hardworking Individuals): آمر اپنی مرضی سے ہنرمند اور محنتی افراد سے ریاست کے امور کے سلسلے میں مدد لے سکتا ہے جب کہ جمہوریت میں عوام کی مرضی سے بعض اوقات نااہل اور سست لوگ بھی اسمبلی میں رکنیت حاصل کرلیتے ہیں۔

3- پائیدار حکومت(Permanent Government): آمریت ایک لحاظ سے پائیدار حکومت سمجھی جاتی ہے' کیونکہ اس میں عدم اعتماد یا حکومت کی مقررہ معیاد ختم ہونے کا اندیشہ نہیں ہوتا۔اس لئے آمر حکمت عملیوں پر دیر تک عمل کر سکتا ہے۔اٹلی اور جرمنی میں جنگ عظیم اول کے بعد مسولینی اور ہٹلر نے اپنی دیرپا اور پائیدار حکومت سے اپنی اپنی قوموں کو سنبھالا دیا تھا جبکہ جمہوریت میں آئے دن حکومتیں بدلتی رہتی ہیں۔جس سے کوئی پالیسی اپنی عملی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔

4- یک جہتی(Integration): آمریت میں عوام گروہ بندی کا شکار نہیں ہوتے' کیونکہ نہ تو انتخابات ہوتے ہیں اور نہ ہی کسی کو کوئی جماعت بنانے کی آزادی ہوتی ہے۔اس لئے عوام آمر کے زیر سایہ متحد رہتے ہیں۔

5- معاشی ترقی(Economic Development): آمریت میں چونکہ زیادہ قومی ادارے نہیں ہوتے اس لئے آمر ریاستی ذرائع کو زیادہ تر معاشی خوشحالی کے لئے استعمال کرتا ہے' جس سے معاشی ترقی ہوتی ہے اور عوام خوشحال ہوتے ہیں۔

6- مضبوط دفاع(Strong Defence): آمریت میں عوام کی ایک بڑی اکثریت فوجی ساز وسامان بنانے میں مصروف ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ فوج میں بھی نفری بڑھانے سے عوام کو روزگار حاصل ہو جاتا ہے۔جس سے ایک طرف بے روزگاری ختم ہوتی ہے اور دوسری طرف مضبوط دفاع وجود میں آتا ہے۔

7- اصلاحات کا عملی نفاذ(Pragmatic Implementation of Reforms): اصلاحات تو جمہوری حکومت میں بھی ہیں' لیکن ان کا نفاذ بہت کم ہوتا ہے۔ایوب خان نے پاکستان میں برسر اقتدار آتے ہی بہت سی معاشرتی' تعلیمی اور معاشی اصلاحات نافذ کیں۔جس سے معاشرتی اور قومی سطح پر بے شمار تبدیلیاں آئیں اور بلاشبہ آج بھی لوگ ایوبی دور کی معاشی منصوبہ بندی کی تعریف کرتے ہیں۔

8- ہنگامی اور فوری فیصلے (Emergency and Quick Decisions): جمہوریت میں ہنگامی اور فوری فیصلے نہیں کیے جاسکتے' کیونکہ کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت پارلیمنٹ کے دوسرے اراکین سے مشورہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے' جس سے اکثر اوقات بہت دیر ہو جاتی ہے۔ آمریت میں ہنگامی نوعیت کے فوری فیصلے کرنا ممکن ہیں' کیونکہ فرد واحد نے فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

9- مسائل کا فوری حل (Quick Solution to Problems): آمریت میں چونکہ فرد واحد نے فیصلہ دینا ہوتا ہے' اس لئے معاشرتی سطح پر جو بھی مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس کو فوری حل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح اگر فوج نے جنگ کے سلسلے میں کوئی احکامات لینے ہوں تو آمر فوراً جنگ کی منظوری دے دیتا ہے۔

سوال: آمریت کی خامیاں بیان کیجئے۔ (فیصل آباد بورڈ 2016ء)

جواب: آمریت کی خامیاں (Demerits of Dictatorship): آمریت جدید ریاست میں بدترین نظام حکومت تصور کیا جاتا ہے' کیونکہ اس میں مندرجہ ذیل خامیاں بدرجہ اتم موجود ہوتی ہیں:

1- مطلق العنانیت (Absoluteness): آمریت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں مطلق العنانیت نقطہ عروج پر ہوتی ہے۔ تمام اختیارات کا مالک صرف اور صرف فرد واحد ہوتا ہے اور وہی فرد ریاست کی ترقی و پستی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

2- استبداد (Violence): استبداد چونکہ آمریت کی خصوصیات میں سے ایک اہم خصوصیت ہے' اس لئے عوامی ضمیر کی آواز کو کچلنے کے لئے آمر ہمیشہ استبداد سے کام لیتا ہے جو کہ انسانیت کے اصولوں کے منافی ہے۔

3- قول و فعل میں تضاد (Contradiction in Words and Actions): آمریت میں قول و فعل میں بہت زیادہ تضاد پایا جاتا ہے۔ کیونکہ ریاست کا تمام میڈیا آمر کے مکمل کنٹرول میں ہوتا ہے' اس لئے وہ اپنی مرضی اور منشا کے مطابق اپنی خوبیوں کی تشہیر میں لگا رہتا ہے۔ حقیقت میں آمر جو کہتا ہے وہ کبھی کر کے نہیں دکھاتا۔ وہ عوام کو آزادی دینے کی بات تو کرتا ہے لیکن ہر اس ادارے کو کچل دیتا ہے جو آزادی کی شمع کو روشن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

4- نااہل جانشین (Incapable Successors): آمر کی آمریت جب اختتام پذیر ہوتی ہے تو اس کے جانشین ہمیشہ نااہل اور جاہل ہوتے ہیں' کیونکہ آمریت کے دوران نہ تو افراد کی سیاسی تربیت ہو پاتی ہے اور نہ ہی کسی کو اتنا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کی بات کھل کر بیان کر سکے۔ اس لئے اکثر آمریت کے خاتمے کے بعد افراتفری اور انارکی بڑھ جاتی ہے۔

5- عزت نفس اور خودداری کا خاتمہ (End of Self Respect and Ego): آمریت میں عزت نفس اور خودداری کا خاتمہ ہو کر رہ جاتا ہے' کیونکہ ریاست کے افراد کو کسی قسم کی آزادی حاصل نہیں ہوتی اور ان کی صلاحیتیں آہستہ آہستہ زنگ آلود ہو جاتی ہیں۔ اس طرح وہ ہمیشہ آمر کی خوشنودی کا خیال رکھتے رکھتے اپنی عزت نفس اور خودداری کا خاتمہ کر لیتے ہیں۔

6- شورش اور انقلاب (Rebellion and Revolution): شورش ہمیشہ وہاں پر سر اٹھاتی ہے جہاں پر افراد کو ضمیر کا قیدی بنا دیا جاتا ہے۔ آمریت میں ضمیر کی آواز کو زور بازو سے دبا دیا جاتا ہے۔ اس طرح افراد بدظن ہو کر آمر کے خلاف شورش بلند کرتے ہیں' جن سے ریاست میں خونی انقلاب کی راہیں ہموار ہوتی ہیں۔

7- انفرادیت کا خاتمہ (Prevention of Individualism): آمریت میں کسی بھی شخص کو اپنی رائے پیش کرنے کا حق نہیں ہوتا' اس لئے فرد معاشرے کے لئے بالکل بے کار حیثیت کا حامل ہو جاتا ہے۔ فرد کسی قسم کی فلاحی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہوتا' حالانکہ ریاست اور فرد فلاحی مقاصد کے لئے ہی سرگرم عمل ہونے کے لئے تیار رہنے چاہئیں۔

8-بدعنوانی اور سفارش(Corruption and Influence): بدعنوانی اور سفارشات آمریت میں اپنے نقطہ عروج پر ہوتے ہیں' کیونکہ آمر اپنی بے جا تشہیر کے لئے بعض دانشوروں اور سیاسی زعما کو اپنے اردگرد اکٹھا کر لیتا ہے اور ان سے اپنا پروپیگنڈہ کرواتا ہے اور بدلے میں ان کو ناجائز سفارشات کے ذریعے خصوصی مراعات سے نوازا جاتا ہے۔ جس سے معاشرے میں بدعنوانی جڑ پکڑ جاتی ہے۔ صرف اور صرف مراعات یافتہ طبقہ ریاستی وسائل پر براجمان ہو جاتا ہے۔

9-فرد واحد کے فیصلے(One-Man Decisions): آمریت میں چونکہ ہر فیصلہ فرد واحد کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے اس کے غلط ہونے کے زیادہ مواقع ہو سکتے ہیں۔ آمر کبھی کسی مشیر کی رائے پر مکمل طور پر عمل نہیں کرتا۔ اس سے آخر کار تمام افراد نقصانات اٹھاتے ہیں' کیونکہ ریاست کے نقصان سے پوری قوم کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

10-آزادی اور مساوات کی عدم موجودگی(Non-Existence of Independence and Equality):
آزادی اور مساوات جدید جمہوریت کی خوبیاں شمار ہوتی ہیں جو کہ انسانی شخصیت کی تکمیل اور نشوونما میں بہت زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ آمریت میں آزادی اور مساوات کا دور دور تک کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ریاست کے افراد کی آزادی فرد واحد یعنی آمر کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

11-بنیادی حقوق کا خاتمہ(Prevention of Fundamental Rights): بنیادی حقوق کا تصور آمریت میں ممکن نہیں' کیونکہ آمر یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہے کہ بنیادی حقوق انسان کو آزادی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس لئے وہ ایسے تمام مخالفین کو کچل دیتا ہے جو بنیادی حقوق کی بات کریں یا ان کا مطالبہ کریں۔

12-قومی تعمیر کا خاتمہ(Prevention of Nation-Building): آمریت میں قومی تعمیر کا بالکل خاتمہ کر دیا جاتا ہے' کیونکہ آمر قومی تعمیر کو اپنے اقتدار میں رکاوٹ تصور کرتا ہے۔ اس لئے وہ ریاست کے افراد کی آزادی پر قدغن لگا کر قومی تعمیر کے تمام ذرائع ناپید کر دیتا ہے۔

......☆......

حکومت کا ڈھانچہ
(Organization of the Legislature)

سوال: مقنّنہ کی اہمیت بیان کریں اور اس کے فرائض اور تنظیم پر روشنی ڈالیں۔ دو ایوانی مقنّنہ کے فوائد اور نقصانات بیان کیجئے۔

جواب:

مقنّنہ کی اہمیت
(Legislature)

مقنّنہ یا قانون ساز ادارے کو حکومت کے تینوں شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ ملک کے لئے قانون بنانے کا اہم کام اس کے سپرد ہے۔ قانون کی عدم موجودگی میں حکومت کے دیگر شعبے بھی اپنا کام سرانجام نہیں دے سکتے۔

آج کل جمہوریت کا دور ہے اور جمہوری نظام میں مقنّنہ عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ زمانہ قدیم کی ریاستوں میں بادشاہی نظام مقبول ترین نظام حکومت تھا ایسی ریاستوں میں قانون کی کوئی اہمیت نہیں تھی اور بادشاہ کی ذات ہی میں حکومت کے تینوں شعبے مدغم تھے۔ حکمران کی زبان سے نکلا ہوا لفظ قانون کا درجہ اختیار کر لیتا تھا۔ بادشاہ ہی اپنی مرضی سے قانون سازی کرتے اور ملکی نظم ونسق چلاتے اور عدالتی فیصلے دیتے تھے۔ لیکن کچھ ریاستیں ایسی تھیں کہ جہاں قانون سازی کا کام عوام کے سپرد تھا۔ شہری براہ راست خود ریاست کے لیے قانون بناتے تھے' مثلاً یونانی ریاستوں میں شہریوں کو قانون سازی کا حق حاصل تھا۔

دور جدید میں مقننہ کی ابتدا برطانوی پارلیمنٹ سے ہوئی۔اس کی بھی اپنی ایک طویل تاریخ ہے۔ برطانیہ میں جاگیرداری نظام قائم تھا اور حکمران لوگوں سے ٹیکسوں کی وصولی کے لئے ان جاگیرداروں کو عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے طلب کیا کرتے تھے تاکہ ٹیکس عائد کرنے کے لیے منظوری ان سے حاصل کی جاسکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے عوام کا سیاسی شعور بیدار ہوتا گیا' انہوں نے زیادہ سے زیادہ حقوق کا مطالبہ بادشاہوں سے کرنا شروع کردیا۔ بعد میں ان جاگیرداروں کے ساتھ ساتھ دیگر طبقات کے حقوق بھی نگہداشت کے لیے دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اونچے طبقے کے امرا اور پادری وغیرہ ایک گروپ میں شامل ہو گئے جب کہ دیگر طبقات نے اپنا ایک الگ گروپ بنالیا۔اس طرح پارلیمنٹ کی تشکیل میں دو ایوانی مقننہ کا تصور ابھرا۔شروع میں پارلیمنٹ کا کام بادشاہوں کو ٹیکس عائد کرنے کی اجازت دینا تھا لیکن آہستہ آہستہ پارلیمنٹ نے قانون سازی کے اختیارات بھی حاصل کر لئے۔اس طرح سے قانون سازی کا اختیار جو پہلے بادشاہوں کو حاصل ہوتا تھا وہ عوام کے نمائندوں کو منتقل ہو گیا۔ دیگر ممالک نے بھی اسی طریقہ کار کو اپنا لیا اور اس طرح سے مقننہ کا ادارہ اپنی الگ حیثیت منوانے میں کامیاب ہوا۔

مقننہ کی تنظیم (Organization of the Legislature): جمہوری ممالک میں مقننہ عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ جنہیں عوام اپنی مرضی سے آزادانہ انتخابات کے ذریعے آبادی کے تناسب سے چنتے ہیں۔اگر مقننہ کا ایک ایوان ہو تو اسے یک ایوانی مقننہ کہا جاتا ہے' اگر اس کے دو ایوان ہوں تو اسے دو ایوانی مقننہ کہتے ہیں۔

بیشتر ممالک میں دو ایوانی مقننہ کا ہی رواج ہے۔ خاص طور پر ان ممالک میں کہ جہاں وفاقی نظام حکومت قائم ہوا' دو ایوانی مقننہ کو لازمی خیال کیا جاتا ہے۔ایوان بالا صوبوں یا اکائیوں اور مخصوص طبقوں کی نمائندگی کرتا ہے' جب کہ ایوان زیریں جسے آبادی کے تناسب سے چنا جاتا ہے' عام لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

یک ایوانی مقننہ (Unicameral Legislature): اگر مقننہ ایک ایوان پر مشتمل ہو تو اسے یک ایوانی مقننہ کہا جاتا ہے۔ پورے ملک کو اتنے ہی حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے کہ جتنے نمائندے منتخب کرنا مقصود ہوں۔ نمائندوں کی تعداد کا تعین آئین میں پہلے ہی کر لیا جاتا ہے۔ ہر حلقے سے ممبران کی مقررہ تعداد ایک مخصوص مدت کے لیے چن لی جاتی ہے۔ ممبران کی مدت معیاد مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے۔ مثلاً انگلستان میں دارالعلوم کی مدت پانچ سال ہے اور امریکہ میں ایوان زیریں صرف دو سال کے لیے چنا جاتا ہے۔ان نمائندوں کو بالغ حق رائے دہی کے ذریعے منتخب کیا جاتا ہے۔

ہر ملک میں ایوان زیریں کو عموماً زیادہ اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً مالیات پر اس کا مکمل کنٹرول ہوتا ہے اور اس کی منظوری کے بغیر حکومت نہ تو کوئی ٹیکس عوام پر عائد کر سکتی ہے اور نہ ہی روپیہ خرچ کر سکتی ہے۔ البتہ دیگر امور میں اکثر دونوں ایوانوں کو یکساں اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔

دو ایوانی مقننہ (Bicameral Legislature): اگر مقننہ کی تنظیم دو ایوانوں پر مشتمل ہو تو اسے دو ایوانی مقننہ کہا جاتا ہے۔اس میں ایک ایوان زیریں اور دوسرا ایوان بالا کہلاتا ہے۔ ایوان زیریں عوام کا نمائندہ کہلاتا ہے اور اسے آبادی کے تناسب سے منتخب کیا جاتا ہے جب کہ ایوان بالا وفاقی نظام میں صوبوں کی نمائندگی کرتا ہے یا ریاست کے مخصوص طبقات کی نمائندگی کرتا ہے مثلاً برطانیہ میں وحدانی نظام ہے۔ وہاں ایوان بالا امرا کے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے' اس لیے اسے دارالامرا کہا جاتا ہے۔ جن ممالک میں وفاقی نظام حکومت قائم ہے' وہاں ایوان بالا صوبوں اور وفاق میں شامل ریاستوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ مثلاً پاکستان کے چار صوبوں کی نمائندگی یہاں کا ایوان بالا ہی کرتا ہے۔اس ایوان میں تمام صوبوں کو خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے' یکساں نمائندگی کا حق ہے۔

ایوان بالا کی تنظیم مختلف ممالک میں مختلف طریقوں سے وجود میں آئی ہے۔ کہیں نمائندوں کو نامزد کیا جاتا ہے اور کسی ملک میں انتخاب کے ذریعے انہیں چنا جاتا ہے اور کہیں مخلوط طریقہ اختیار کیا گیا۔

انتخاب کا طریقہ (Election Method): بعض ممالک میں ایوان کے نمائندوں کو انتخاب کے ذریعے چنا جاتا ہے' مثلاً ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ایوان بالا کے نمائندوں کا انتخاب عوام ایوان زیریں کی طرح ہی کرتے ہیں۔تمام ریاستوں کو یکساں نمائندگی حاصل ہے اور ہر ریاست ایوان میں اپنے دو دو نمائندے بھیجنے کی مجاز ہے۔

موروثی طریقہ (Inheritence Method): بعض ممالک میں ایوان بالا کو موروثی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی باپ کی وفات کے بعد وہ سیٹ اس کے بیٹے کو منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ کار برطانیہ میں رائج ہے۔ یہ ایوان وہاں مخصوص اعلیٰ طبقوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

www.downloadclassnotes.com

نامزدگی کا طریقہ (Nomination Method): بعض ممالک میں ایوان بالا کے نمائندوں کو نامزد کیا جاتا ہے۔ مثلاً کینیڈا میں نامزدگی کا طریقہ رائج ہے۔

مخلوط طریقہ (Coalition Method): بعض ممالک میں مخلوط طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ کچھ ممبران کو منتخب کیا جاتا ہے، چند کو نامزد کیا جاتا ہے اور کچھ کو وراثتی اصول کے تحت مقرر کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ جاپان میں رائج ہے۔

سوال: مقننہ کے فرائض بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2014ء)

جواب: **مقننہ کے فرائض (Functions of Legislature):**

1- قانون سازی (Legislation): مقننہ کا سب سے اہم کام قانون سازی کرنا ہے۔ مقننہ یہ قانون سازی ملکی حالات اور اپنے رائے دہندگان کے رجحان اور مرضی و منشا کو پیش نظر رکھ کر کرتی ہے۔ بعض اوقات پرانے قوانین جو ناقابل عمل ہو جاتے ہیں ان میں ردوبدل اور تبدیلی بھی مقننہ ہی کرتی ہے۔

جب کسی قانون کا مسودہ مقننہ کے کسی ایوان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو وہاں اس کے محاسن و نقائص پر بحث کی جاتی ہے اور ایسا کرتے ہوئے لوگوں کے مزاج و رجحان کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ابلاغ عامہ بھی ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ وہ سیاسی رہنماؤں کی اس بل پر آرا عوام کے سامنے پیش کرتا ہے اور عوام کا ردعمل بھی شائع کرتا ہے۔ اس طرح مقننہ کے اراکین کے لیے بل پر بحث کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایوان میں مختلف کمیٹیاں بھی قائم کی جاتی ہیں کہ جن کے سپرد ان بلوں کو کیا جاتا ہے۔ پھر کمیٹی اپنی مکمل رپورٹ کے ساتھ اس بل کو ایوان میں بھیج دیتی ہے جہاں اس پر دوبارہ بحث ہوتی ہے۔ غرضیکہ کافی طویل بحث کے بعد اگر بل کو ایوان کی اکثریت پاس کر دے تو پھر اسے دوسرے ایوان کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، وہاں پر بھی بل پر اسی طرح کی کارروائی ہوتی ہے۔

لیکن صدر کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیغامات اور پارٹی اراکین کی بدولت مقننہ کی کارروائی پر اثر انداز ہو سکے۔

2- انتظامی فرائض (Executive Functions): مختلف نظام ہائے حکومت میں مقننہ کے انتظامی فرائض مختلف ہوتے ہیں۔ کسی بھی نظام میں مقننہ براہ راست انتظامیہ کو کنٹرول نہیں کرتی۔ البتہ چیک و بیلنس سسٹم کے تحت اس کی نگرانی کا کام سرانجام دیتی ہے۔ پارلیمانی نظام میں مقننہ اور عاملہ کے درمیان ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ برسراقتدار جماعت کو مقننہ میں اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ وزیراعظم اپنی کابینہ ایوان میں اپنی جماعت کے اراکین سے ہی منتخب کرتا ہے۔ حکومت اسی وقت تک برسراقتدار رہ سکتی ہے جب تک اسے ایوان کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اگر مقننہ حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر دے تو حکومت کو مستعفی ہونا پڑتا ہے۔ وزیراعظم اور اس کی کابینہ اجتماعی طور پر ایوان کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مقننہ کے اراکین کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ وزرا سے ان کے محکموں کے بارے میں سوالات پوچھ سکتے ہیں اور وزرا کے لیے لازمی ہوتا ہے کہ وہ ایوان کے پوچھے ہوئے سوالات کے جواب فراہم کریں اور انہیں مطمئن کریں۔

3- عدالتی فرائض (Judicial Functions): مقننہ کے سپرد کچھ عدالتی فرائض بھی ہوتے ہیں۔ عموماً ہر ملک میں دو ایوانی مقننہ ہوتی ہے، جس کے ایوان بالا کو عدالتی اختیارات حاصل ہوتے ہیں مثلاً انگلستان کا ایوان بالا دارالامرا ملک کی سب سے بڑی اپیل کی عدالت ہے۔ امریکہ میں ایوان بالا سینٹ صدر، نائب صدر اور وفاقی عدالتوں کے ججوں کا مواخذہ کر سکتی ہے۔ صدر سپریم کورٹ کے ججوں کی تقرری کرتا ہے اور اس کی توثیق سینٹ کرتی ہے۔ بعض ممالک میں مقننہ عدالتی نظام، ججوں کی تنخواہوں اور مراعات کے لیے قانون سازی بھی کرتی ہے۔

4- انتخابی فرائض (Electoral Functions): بعض ریاستوں میں مقننہ انتخابی فرائض بھی سرانجام دیتی ہے مثلاً پاکستان میں صدر کا انتخاب یہاں کی وفاقی مقننہ صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ مل کر کرتی ہے۔ وزیراعظم کا انتخاب بھی مقننہ اپنے ووٹوں سے کرتی ہے۔ یہی طریقہ ہندوستان میں بھی رائج ہے۔ امریکہ میں اگر صدارتی امیدوار کو قطعی اکثریت حاصل نہ ہو تو ایوان زیریں پہلے تین امیدواروں میں سے صدر کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی طرح اگر نائب صدر کو واضح اکثریت حاصل نہ ہو تو اس کا انتخاب ایوان بالا یعنی سینٹ کرتا ہے۔

www.downloadclassnotes.com

5- آئین میں ترمیم کرنے کا اختیار (Power to Ammend the Constitution): کسی بھی جمہوری ملک میں اگر آئین میں تبدیلی یا ترمیم کرنا مقصود ہو تو یہ ترمیم صرف وہاں کی مقننہ کرسکتی ہے۔ مثلاً انگلستان میں آئین غیر تحریری ہے۔ وہاں کی مقننہ عام قانون کی طرح کسی بھی آئینی اصول کو تبدیل کرسکتی ہے۔

پاکستان اور ہندوستان میں بھی آئین میں ترمیم کا حق وہاں کے قانون ساز اداروں کو حاصل ہے۔ امریکہ میں کانگریس کے دونوں ایوان اپنی دو تہائی اکثریت سے آئین میں ترمیم تجویز کرسکتے ہیں۔

6- مالیاتی اختیارات (Financial Functions): جمہوری ملکوں میں مقننہ کا ایک اہم فرض وہاں کی مالیات کو کنٹرول کرنا ہے۔ برطانوی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر ابتدا میں پارلیمنٹ کو محض مالیاتی اختیارات ہی حاصل تھے۔ قانون سازی کا اختیار بعد میں حاصل ہوا۔

ملکی نظم و نسق کو چلانے کے لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ رقم لوگوں پر ٹیکس عائد کر کے حاصل کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ اس پر کنٹرول بھی عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کا ہونا چاہیے۔ چنانچہ انتظامیہ بغیر مقننہ کی منظوری کے نہ کوئی محصول عوام پر عائد کرسکتی ہے اور نہ کوئی رقم خرچ کرسکتی ہے۔ اس کے لیے مالی سال کے شروع میں وزیر خزانہ مقننہ کے سامنے سالانہ بجٹ پیش کرتا ہے۔ جس میں سال بھر کے ذرائع آمدن اور اخراجات کا تخمینہ پیش کیا جاتا ہے۔ مقننہ کی منظوری کے بعد ہی انتظامیہ منظور شدہ بجٹ کے مطابق حکومت کا نظم و نسق چلاتی ہے۔

7- عوام کی شکایات کا ازالہ (Ventilation of Public Grievences): جمہوری ملکوں میں مقننہ کے اراکین عوام کے منتخب کردہ نمائندے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اپنے رائے دہندگان کے مسائل اور شکایات سے خود کو باخبر رکھیں اور ایوان میں ان شکایات کو دور کرانے کی کوشش کریں ورنہ ان کی عدم دلچسپی عوام میں مایوسی پیدا کردیتی ہے۔

سوال: عاملہ کی اقسام اور اس کی تقرری کے مختلف طریقے بیان کریں۔

جواب : تعارف: انتظامیہ محکموں کے ذریعے ملک میں اندرونی و بیرونی امن و سلامتی، عدل و انصاف، اجتماعی ترقی اور سوشل سکیورٹی کے نظام کو قائم رکھتی ہے۔ حکومتی کاروبار کو چلانے کی تمام تر ذمہ داری انتظامیہ کے سپرد ہوتی ہے۔ انتظامیہ کا بنیادی کام قوانین کا نفاذ اور عمل درآمد ہوتا ہے۔

انتظامیہ یا عاملہ
(Executive)

عاملہ کی مندرجہ ذیل تین اقسام ہیں:

1- برائے نام انتظامیہ 2- سیاسی انتظامیہ 3- سول سروس

1- برائے نام انتظامیہ (Nominal Executive): جدید جمہوری نظام ہائے حکومتوں کی تشکیل سے پہلے برائے نام انتظامیہ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ یہ اصلاح اس وقت شروع ہوئی جب پارلیمانی نظام حکومت کا آغاز ہوا۔ پارلیمانی نظام میں سربراہ ریاست اور سربراہ حکومت الگ الگ شخصیات ہوتی ہیں۔ ریاست کا صدر گورنر جنرل یا بادشاہ ہوتا ہے اور سربراہ حکومت وزیراعظم ہوتا ہے۔ آئین میں تمام اختیارات سربراہ ریاست کے نام ہی ہوتے ہیں، لیکن آئینی روایت کے تحت وہ انہیں استعمال نہیں کرتا بلکہ اس کے نام پر ان تمام اختیارات کو وزیراعظم اور اس کی کابینہ استعمال کرتے ہیں۔ بہت سے اختیارات جو اس کے نام تفویض کئے جاتے ہیں وہ محض رسمی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ ہر معاملے میں وزرا کے مشورے کا پابند ہوتا ہے اور اس کے ہر فیصلے پر ایک وزیر کے دستخط ہونا ضروری ہیں۔ اس کی حیثیت ایک برائے نام حکمران کی ہوتی ہے۔ برطانیہ میں پارلیمانی نظام کی ابتدا سے پہلے بادشاہ سربراہ ریاست بھی ہوتا تھا اور سربراہ حکومت بھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے پارلیمنٹ ارتقائی سفر طے کرتی گئی، بادشاہوں کے اختیارات محدود ہوتے چلے گئے اور یہ تمام اختیارات پارلیمنٹ کو منتقل ہوتے گئے۔ چنانچہ آئین میں آج بھی اختیارات کا مالک بادشاہ کی ذات ہی ہے لیکن وہ اختیارات کو استعمال نہیں کرتا۔ اس کی حیثیت ایک برائے نام حکمران کی ہے جب کہ یہ تمام اختیارات وزیراعظم اور اس کی کابینہ استعمال

کرتے ہیں۔

2-سیاسی انتظامیہ (Political Executive):

سیاسی انتظامیہ کی درج ذیل اقسام ہیں:

i-صدارتی انتظامیہ (Presidential Executive): صدارتی انتظامیہ میں صدر سربراہ ریاست بھی ہوتا ہے اور سربراہ حکومت بھی۔ آئین میں جو بھی اختیارات اسے تفویض کیے جاتے ہیں وہ انہیں استعمال کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ وہ ملک کا حقیقی سربراہ ہوتا ہے۔

صدر اپنی کابینہ کے وزرا کو اپنی مرضی سے منتخب کرتا ہے۔ وہ انہیں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے منتخب کرسکتا ہے اس کے لئے یہ پابندی نہیں ہوتی کہ وزرا مقننہ سے لیے جائیں کیونکہ صدر اور اس کی کابینہ مقننہ کے ممبر نہیں ہوتے۔ وہ اس کے اجلاس میں شرکت نہیں کرتے اور نہ ہی اپنی کارکردگی کے لئے مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ مقننہ ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک نہیں چلاسکتی اور وزرا گو مقننہ کے ممبر نہیں ہوتے لیکن وہ اس کے اجلاس میں شرکت کرسکتے ہیں۔ صدر کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ مقننہ کو خطاب کرسکتا ہے۔ وہ اپنے خطبات کے ذریعے مقننہ کو قانون سازی کے لئے ایک گائیڈ لائن دے سکتا ہے۔

صدارتی نظام میں مقننہ جو بل بھی پاس کرتی ہے وہ اسی شکل میں قانونی سرگرمیاں اپناتا ہے۔ جب اسے صدر کی منظوری حاصل ہوتو صدر کو بل ویٹو کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ دنیا میں صدارتی نظام کی بہترین مثال ہے۔

ii-پارلیمانی انتظامیہ (Parliamentary Executive): پارلیمانی نظام میں سربراہ مملکت اور سربراہ حکومت دو الگ الگ اشخاص ہوتے ہیں۔

صدر برائے نام حکمران ہوتا ہے اور آئین میں دیئے گئے اختیارات کو وہ استعمال نہیں کرتا بلکہ وزیراعظم اور اس کی کابینہ پارلیمنٹ کے ساتھ مل کر ان اختیارات کو استعمال کرتے ہیں۔ انتخابات کے ذریعے مقننہ میں جو جماعت اکثریت حاصل کرلیتی ہے وہی حکومت بناتی ہے وزیراعظم اکثریتی پارٹی سے تعلق رکھتا ہے اور وہ اپنی کابینہ مقننہ میں موجود اپنے پارٹی اراکین میں سے منتخب کرتا ہے۔ یہ وزرا اسی وقت تک عہدوں میں فائز رہتے ہیں جب تک انہیں وزیراعظم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ ہر وزیر کسی نہ کسی محکمے کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کی کارکردگی کا ذمہ دار بھی۔

وزرا اور وزیراعظم اجتماعی طور پر اپنی کارکردگی کے لیے مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ مقننہ کو وزرا سے ان کے محکموں کے بارے میں سوالات پوچھنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور وزرا کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان سوالات کے تسلی بخش جوابات مقننہ کو فراہم کریں اور اس کے اراکین کو مطمئن کریں۔ وزیراعظم اور اس کی کابینہ اس وقت تک برسراقتدار رہ سکتے ہیں جب تک انہیں مقننہ کا اعتماد حاصل ہے۔

مقننہ کو وزیراعظم اور اس کی کابینہ کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک اور اسے پاس کرنے کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔ وزارتی نظام میں پارٹی ڈسپلن پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ پارلیمانی نظام کی بہترین مثال برطانیہ کی حکومت ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان ہندوستان جاپان اور دیگر ممالک میں بھی یہ نظام قائم ہے۔

iii- تکثیری عاملہ (Plural Executive): یہ اپنے طرز کی ایک مخصوص عاملہ ہے۔ یہ سوئٹزرلینڈ میں قائم ہے۔ وہاں سات افراد پر مشتمل وزرا کی ایک کونسل ہے اور یہ کونسل اپنی کارکردگی کے لئے مقننہ کے سامنے جواب دہ ہے۔ اس میں تمام ممبران کو یکساں اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کو باری باری ایک سال کے لیے کونسل کا صدر منتخب کیا جاتا ہے۔ لیکن صدر کو کوئی خصوصی اختیارات حاصل نہیں ہوتے ماسوائے اس کے کہ وہ کونسل کے اجلاس کی صدارت کرتا ہے۔

واحد انتظامیہ (Single Service): واحد انتظامی نظام میں تمام اختیارات فرد واحد کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہ نظام واحد انتظامی نظام کہلاتا ہے۔

3- سول سروس (Civil Service): سول سروس انتظامیہ کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ سیاسی انتظامیہ کو ایک مخصوص مدت کے لیے

منتخب کیا جاتا ہے۔ اپنے عہدے کی میعاد پوری کرنے کے بعد وہ اس سے الگ ہوتے ہیں' کیونکہ ضروری نہیں کہ آئندہ انتخابات میں بھی وہ برسر اقتدار آسکیں۔ درحقیقت سول سروس ہی ٹھیک معنوں میں ملک کا نظم و نسق سنبھالتی ہے' ملکی پالیسیاں بناتی اور ان پر عمل کراتی ہے۔ یہ سرکاری عہدے داروں کی جماعت ہوتی ہے جو مستقل تنخواہ دار اور ماہر فن ہوتی ہے اور ایک خاص مدت تک یہ عہدے دار اپنے عہدے پر فائز رہتے ہیں۔ وزراء عموماً سیاسی لوگ ہوتے ہیں اور اپنے محکموں کے انتظامی امور سے روشناس نہیں ہوتے لیکن سول سرونٹس اپنے محکموں کے ماہرین ہوتے ہیں۔ یہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے اور نہ ہی سیاسی بیانات دیتے ہیں بلکہ پس پردہ رہ کر تمام انتظامی امور سرانجام دیتے ہیں۔

انگلستان میں سول سروس کا آغاز اٹھارویں صدی کے بعد ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ برطانیہ کی سول سروس دنیا کی بہترین سول سروس سمجھی جاتی ہے اور اس کی بدولت برطانیہ دنیا میں اپنے منظم نظام حکومت کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ سول سرونٹس کا چناؤ مختلف مراحل کے بعد ہوتا ہے۔ پہلے مقابلے کے امتحانی مرحلے سے گزر کر وہ مختلف اکیڈمیز میں ٹریننگ لیتے ہیں۔ اس کے بعد انہیں مختلف محکموں میں تعینات کیا جاتا ہے۔ ریزے میور کے خیال کے مطابق' قانون سازی' انتظام حکومت' مالیات اور پالیسی کے آغاز میں جو جماعت ٹھیک معنوں میں امور کی رہنمائی کرتی ہے' اگرچہ وہ پس پردہ رہتی ہے لیکن وہ سول سروس ہے۔

عاملہ کا تقرر (Appointment of Executive):

1- وراثتی طریقہ (Hereditary Method): بادشاہت' قدیم زمانے سے زیادہ تر ممالک میں یہی نظام قائم تھا۔ دور جدید جمہوریت کا دور ہے۔ اس میں بادشاہت کا تقریباً خاتمہ ہو چکا ہے۔ عاملہ کا تقرر جمہوری طریقے سے انتخابات کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جن ملکوں میں آج بھی بادشاہت قائم ہے' وہاں بادشاہوں کا عمل دخل سیاست میں ختم ہو چکا ہے۔ وہ ملک کے محض برائے نام حکمران ہیں اور ایسے ممالک میں بادشاہت موروثی ہے۔

2- انتخابی طریقہ (Elected Method): جمہوری نظام میں عاملہ کا تقرر انتخابات کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ انتخابات دو طرح سے ہوتے ہیں۔ جن سے عاملہ کا تقرر کیا جاتا ہے۔

i- بلاواسطہ انتخابات کے ذریعے (By Direct Election): کئی ممالک میں عاملہ کے سربراہ کو براہ راست انتخاب کے ذریعے چنتے ہیں۔ انتخابات کا یہ طریقہ ایک بہترین جمہوری عمل ہے۔ کیونکہ اس طرح سے وہ عوام کا منتخب نمائندہ تصور ہوتا ہے اور لوگوں کے لئے یہ باعث اطمینان ہوتا ہے کہ ان پر حکومت کرنے والا ان کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی طرح سیاست میں عوام کی دلچسپی بھی پیدا ہوتی ہے اور انہیں جمہوری اقدار سے آگاہی بھی حاصل کرتا ہے۔ لیکن اس طریق کار میں ایک خطرہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر عوام غیر ذمہ دارانہ رویے کی بنا پر کسی غلط آدمی کا چناؤ کر لیتے ہیں تو اس طرح حکومت کا غلط ہاتھوں میں جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ کار بہت سے ممالک میں رائج ہے مثلاً جرمنی' برازیل وغیرہ۔

ii- بالواسطہ انتخاب کے ذریعے (By Indirect Election): بالواسطہ انتخاب دوہرا ہوتا ہے۔ اس میں عوام صدر کا انتخاب براہ راست نہیں کرتے بلکہ یہ ذمہ داری ایک انتخابی ادارے کے سپرد کی جاتی ہے۔ اس انتخابی ادارے کے اراکین کی تعداد کا تعین آئین میں کر دیا جاتا ہے۔ پھر ملک میں انتخاب ہوتے ہیں' جس میں عوام حصہ لیتے ہیں اور انتخابی ادارے کے اراکین کو منتخب کرتے ہیں۔ ان اراکین کے انتخاب کے بعد عوام کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔

پھر یہ انتخابی ادارہ صدر کو چنتا ہے۔ اس طریقے کا سب سے نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ اس میں عوام کا براہ راست صدر کے انتخاب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتا۔ جس میں ان کی سیاست سے دلچسپی کم رہتی ہے۔ دوسرا انتخابی ادارے کے اراکین کی مقدار کم ہوتی ہے' اس لیے انہیں دباؤ کا شکار کر کے ان سے ووٹ حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ عمل جمہوری اقدار کے منافی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صدر کا انتخاب بالواسطہ انتخاب کے ذریعے ہوتا ہے۔

iii- بذریعہ مقننہ (By Legislature): بہت سے ممالک میں صدر کا انتخاب مقننہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ مقننہ کے افراد سمجھ دار اور تجربہ کار ہوتے ہیں' اس لئے وہ اس اہم عہدے کے لیے کسی اہل شخص کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔ مثلاً پاکستان کے صدر کو یہاں مرکزی مقننہ صوبائی قانون ساز

اداروں کے ساتھ مل کر منتخب کرتی ہے۔ یہی طریقہ بھارت میں بھی رائج ہے۔

سوال: انتظامیہ کے اختیارات وفرائض بیان کریں۔ (فیصل آباد بورڈ 2013ء)

جواب: انتظامیہ کے اختیارات وفرائض (Powers and Duties of Executive): جدید جمہوری دور میں انتظامیہ اپنے اختیارات وفرائض کے لحاظ سے بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ خاص طور پر فلاحی ریاست کے نظریہ کی مقبولیت سے انتظامیہ کے فرائض میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔ انتظامیہ کے اہم اختیارات وفرائض ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

1- انتظامی اختیارات (Administrative Powers): مقننہ ملک کے لیے قانون سازی کرتی ہے اور انتظامیہ کا کام ان قوانین کو ملک میں نافذ کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح سے انتظامیہ پورے ملک کا نظم ونسق چلاتی ہے اور ملک کے اندر امن وامان کو قائم کر کے رکھنا اس کا سب سے اہم فرض ہے۔ اس کے لیے عاملہ مختلف اداروں کو قائم کرتی ہے مثلاً پولیس اور عدلیہ کے ادارے۔ اس غرض کے لیے امور داخلہ کا محکمہ قائم کیا جاتا ہے جس کے فرائض میں اولین فرض ملک کو بدنظمی سے پاک رکھنا اور امن وامان کی فضا کو قائم کرنا ہے۔ موجودہ دور کی ریاست ایک فلاحی ریاست ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاسی انتظامیہ اعلیٰ عہدے داروں کا تقرر کرتی ہے۔ پارلیمانی نظام میں عاملہ ان عہدے داروں کی تقرری کے لیے آزاد ہوتی ہے، لیکن بعض ممالک میں ان مقاصد اور عہدے داروں کے تقرر کے لیے مقننہ کی توثیق ضروری ہے۔

مثلاً امریکہ میں صدر وفاقی عہدے داروں کا تقرر کرتا ہے اور سینٹ ان کی توثیق کرتی ہے۔

2- قانون سازی کے اختیارات (Legislative Powers): انتظامیہ کے قانون سازی کے اختیارات مختلف نظام ہائے حکومتوں میں مختلف ہوتے ہیں۔ پارلیمانی نظام میں عاملہ اور مقننہ میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ جو جماعت مقننہ میں اکثریت حاصل کرتی ہے وہی حکومت بناتی ہے۔ اسی نظام میں تمام مسودات قوانین وزراء ہی مقننہ میں پیش کرتے ہیں اور اکثریت میں ہونے کی وجہ سے باآسانی انہیں منظور بھی کرا لیتے ہیں۔

صدارتی نقطۂ نظر میں نظریہ علیحدگی اختیارات پر عمل کیا جاتا ہے۔ صدر اور اس کی کابینہ مقننہ کے ممبر نہیں ہوتے لیکن اس کے باوجود وہ اگر کوئی خاص بل مقننہ سے منظور کریں تو مقننہ میں موجودہ اپنی پارٹی کے اراکین کے ذریعے ایسے بل ایوان میں جمع کرا سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ صدر کو یہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ مقننہ کو خطاب کر سکتا ہے اور پیغامات بھیج سکتا ہے اور اس طرح سے وہ مقننہ کو ایک گائیڈ لائن دیتا ہے کہ اسے کس قسم کے قوانین چاہئیں۔

اکثر موجودہ ریاستوں میں انتظامیہ کو آرڈیننس پاس کرنے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔ یہ آرڈیننس قانون ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ وہ ایک عارضی مدت کے لیے بنائے جاتے ہیں اور بعد میں مقننہ کی منظوری حاصل کرنا ضروری ہے۔

3- سفارتی اختیارات (Diplomatic Powers): دور جدید میں کوئی بھی ملک تنہا نہیں رہ سکتا۔ اسے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات کو استوار کرنا پڑتا ہے۔ اس کے لیے انتظامیہ اپنی ایک خارجہ پالیسی بناتی ہے کہ جس میں ان اصولوں کی نشان دہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ دوسرے ممالک کے ساتھ کن شرائط پر وہ اپنے تعلقات کو قائم کریں گے۔ عاملہ کی وزارت خارجہ ان تمام خارجی امور کو سرانجام دینے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔

دوسرے ممالک میں سفیروں کا تقرر بھی عاملہ کرتی ہے اور ان کے سفیروں کا خیر مقدم بھی کرتی ہے۔ دوسرے ملکوں کے ساتھ معاہدے کرنا، تجارت کرنا اور خارجہ معاملات سے متعلق گفت وشنید کرنا بھی عاملہ کی ذمہ داری ہے۔

4- فوجی اختیارات (Military Powers): ملک کا دفاع اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کرنا عاملہ کی ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے وہ افواج کی تنظیم کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرتی ہے۔ بری، بحری اور ہوائی افواج کی تنظیم کرتی ہے۔ ان کے لیے جدید سامان حرب حاصل کرتی ہے۔ تینوں افواج کے عہدے داروں کا تقرر عاملہ ہی کرتی ہے۔ دیگر ممالک کے ساتھ فوجی معاہدے کرنا، جنگ کا اعلان کرنا یا صلح کے معاہدے کرنا عاملہ کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں آئین عاملہ کو وسیع اختیارات دیتا ہے۔ وہ ملک کے اندرونی اور بیرونی خطرات کے پیش نظر ہنگامی حالت کا اعلان

www.downloadclassnotes.com

کر کے لوگوں کے بنیادی حقوق کو معطل کر سکتی ہے اور مارشل لاء کا نفاذ بھی کر سکتی ہے۔ بعض ممالک میں عاملہ کو یہ تمام کام سرانجام دینے کے لیے مقننہ کی منظوری بھی نہیں لینی پڑتی ہے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں صدر کو جنگ یا صلح کا اعلان کرنے سے پہلے سینٹ کی منظوری حاصل کرنا پڑتی ہے۔

5-عدالتی اختیارات (Judicial Powers): عاملہ ملک کے اندر ایک مضبوط عدالتی نظام کو استوار کرتی ہے۔ عدلیہ کے ججوں کا تقرر کرنا بھی اس کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اس کے علاوہ عام معافی کا اعلان کرنا' سزا کو معاف کرنا یا اس میں تخفیف کرنے کا اختیار سربراہ ریاست کو حاصل ہوتا ہے۔

6-مالی اختیارات (Financial Powers): ملک کے نظم ونسق کو چلانے کے لیے بھاری رقم کی ضرورت ہوتی ہے اور حکومتیں یہ رقم مختلف ذرائع سے حاصل کرتی ہیں۔ اس کے لیے عاملہ آمدنی واخراجات کا ایک سالانہ تخمینہ تیار کرتی ہے' جسے بجٹ کہا جاتا ہے۔ یہ بجٹ عاملہ کے سربراہ کی نگرانی میں وزارت خزانہ تیار کرتی ہے۔ ہر سال یہ تخمینہ مقننہ میں پیش کیا جاتا ہے اور اس کی منظوری کے بعد عاملہ محصولات عائد کر کے اخراجات کے لیے رقوم حاصل کرتی ہے اور مقننہ کی منظوری کے بعد ہی وہ ان رقوم کو خرچ کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

گویا انتظامیہ مالی امور کو سرانجام دینے کی مکمل طور پر ذمہ دار ہے۔

عدلیہ (Judiciary)

سوال: عدلیہ کی تنظیم' اس کے فرائض اور اختیارات پر نوٹ لکھیں۔

جواب: حکومت کا تیسرا اہم شعبہ عدلیہ کا ہے۔ عدلیہ کا کام شہریوں کو انصاف مہیا کرنا اور ان کے حقوق کی حفاظت کرنا ہے۔

بقول لارڈ برائس ''ایک حکومت کی عمدگی کا اس کے عدالتی نظام کے حسن کارکردگی سے بہتر اور کوئی معیار نہیں۔ کسی بھی حکومت کی بہترین کارکردگی کا اندازہ اس کے عدالتی نظام سے لگایا جاتا ہے۔ اگر عدلیہ کا نظام بہترین بنیادوں پر استوار ہے اور یہ ادارہ آزادی سے اپنے فرائض کو سرانجام دے رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہاں لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہے اور ان کے حقوق کو ہر طرح کا تحفظ حاصل ہے۔

زمانہ قدیم میں انصاف کا جو تصور پیش کیا جاتا تھا' وہ دور جدید کے تصور انصاف سے بالکل مختلف تھا۔ سزائیں جو مجرموں کو دی تھیں وہ اکثر ان کے جرائم کے مقابلے میں بہت شدید ہوتی تھیں اور قبائلی نظام ہونے کی وجہ سے مجرم کو سزا دینے کی ذمہ داری بھی قبیلے پر ہی ہوتی تھی۔

قدیم بادشاہی نظام میں عدالت کا ادارہ بھی بادشاہ کی ذات سے ہی منسلک رکھا گیا تھا۔ وہ جس قسم کی سزا چاہے مجرموں کو دے سکتا اور جسے چاہے معاف کر سکتا تھا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی نظام میں تبدیلیاں آتی گئیں' لوگوں کے حقوق کا تصور اجاگر ہوا اور قانون کی بالادستی کو نظام حکومت کا بنیادی اصول قرار دیا گیا۔ چنانچہ عدلیہ کو بھی ایک الگ ادارے کی حیثیت سے قائم کیا گیا جس کے اولین فرائض میں لوگوں کو انصاف مہیا کرنا اور ان کے حقوق کی پاسداری کرنا ہے۔ اب ملک کے تمام شہریوں کے لیے ایک ہی قانون ہوتا ہے۔ قانون کی بالادستی ہونے کی وجہ سے تمام شہری قانون کی نظر میں یکساں ہوتے ہیں اور مجرموں کو ان کے جرائم کی سزا بھی قانون ہی کے مطابق دی جاتی ہے۔

دور جدید میں سزا کا مفہوم بھی بدل گیا ہے۔ آج سزا دینے کا مطلب مجرم سے بدلہ لینا یا اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرنا نہیں بلکہ اس کے شر سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ مجرم کی اپنی اصلاح بھی ہے تاکہ وہ بھی مستقبل میں معاشرے کا ایک فعال ممبر بن سکے۔

اب عدلیہ کے ادارے کو دیگر شعبوں یعنی مقننہ اور عاملہ سے الگ رکھا جاتا ہے تاکہ یہ ہر قسم کے دباؤ سے آزاد رہ کر اپنے فرائض کو احسن طریقے سے سرانجام دے سکے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ''عدلیہ کی آزادی'' کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

سوال: عدلیہ کی تنظیم بیان کیجئے۔

جواب:

عدلیہ کی تنظیم
(Organisation of Judiciary)

دنیا کے تمام ممالک میں عدلیہ کی تنظیم مختلف عدالتوں کے قیام پر مبنی ہوتی ہے۔ مرکزی سطح پر ایک عدالت عظمیٰ ہوتی ہے' جس کے ماتحت

مختلف عدالتیں ہوتی ہیں۔ جو عدالت عظمیٰ کی زیرنگرانی کام کرتی ہیں۔ اگر کسی ملک میں وفاقی نظام حکومت ہو تو ایسی صورت میں وفاق کی اپنی عدالت عالیہ سپریم کورٹ ہوتی ہے جو ملک کی سب سے بڑی اور آخری اپیل کی عدالت ہوتی ہے اس کے علاوہ وفاق میں شامل تمام صوبوں یا ریاستوں کی اپنی اپنی عدالتیں یعنی ہائی کورٹس ہوتی ہیں۔ پھر اس کے تحت ڈسٹرکٹ کی سطح پر عدالتیں قائم کی جاتی ہیں۔ نچلی سطح پر عدالتیں دو قسم کی ہوتی ہیں:

-1 فوجداری عدالتیں(Criminal Courts)

-2 دیوانی عدالتیں (Civil Courts)

قتل، ڈاکہ، اغوا اور دھوکہ دہی وغیرہ کے معاملات فوجداری عدالتوں میں پیش کئے جاتے ہیں جب کہ طلاق، شادی، زمین کے جھگڑے وغیرہ کے معاملات دیوانی عدالتوں میں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل ہائی کورٹ میں کی جاتی ہے اور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں کی جاتی ہے۔ عام طور پر فوجداری اور دیوانی مقدمات کے لیے الگ الگ عدالتیں قائم کی جاتی ہیں لیکن بعض ممالک میں ایک ہی عدالت میں دونوں قسم کے مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ فرانس اور یورپ کے بعض دیگر ممالک میں رائج ہے۔ ان عدالتوں کے علاوہ بعض دیگر مقاصد کے لئے علیحدہ عدالتیں بھی قائم کی جاتی ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں قانون کی بالادستی کا قانون قائم ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ تمام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون ہوگا اور ایک ہی قسم کا عدالتی نظام بھی۔ خواہ وہ ایک عام شہری ہو یا سرکاری ملازم، انہیں ایک ہی قسم کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔

سوال: عدلیہ کے فرائض بیان کیجئے۔ (لاہور بورڈ 2016ء)

جواب : عدلیہ کے فرائض اور خصوصیات(Functions and Characteristics of Judiciary): بیسویں صدی کے آخر اور اکیسویں صدی کی آمد کے موقع پر عدلیہ کے کردار میں وسیع پیمانے پر تبدیلی آ چکی ہے۔ اب عدلیہ صرف مقدمات کی سماعت ہی نہیں کرتی بلکہ بہت سے دوسرے امور بھی سرانجام دیتی ہے جو درج ذیل ہیں:

1-انصاف کی فراہمی(Provision of Justice): عدلیہ کا قیام اس لیے عمل میں لایا جاتا ہے کہ عوام کو انصاف کے مطابق فیصلے سننے کو ملیں۔ انصاف کی فراہمی میں عدلیہ سب سے اہم کردار ادا کرتی ہے۔ روزمرہ زندگی میں عدلیہ کے پاس مختلف انواع کے فوجداری، دیوانی اور مالگزاری نوعیت کے مقدمات زیر سماعت آتے ہیں۔ جن میں شہریوں کو اگر فوری انصاف مہیا نہ کیا جائے تو معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جائے۔ بعض اوقات عدلیہ کے پاس ایسے مقدمات بھی زیر سماعت ہوتے ہیں جن میں ریاست فریق ہوتی ہے۔ عدلیہ نہ صرف ملکی نوعیت کے قوانین کی سماعت کی ذمہ دار ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات بین الحکومتی طرز کے مقدمات کی بھی سماعت کرتی ہیں، جن میں ایک حکومت یا دو یا دو سے زیادہ حکومتیں شامل ہوتی ہیں۔ امریکہ اور پاکستان میں سپریم کورٹ ایسے مقدمات کی سماعت کرتی ہیں۔ عدلیہ حکم سنانے سے پہلے مقدمے کے متعلق ہر طرح کی معلومات حاصل کرتی ہے اور پھر اپنی تفتیش اور گواہوں کے بیانات قلمبند کرنے کے بعد فیصلہ سناتی ہے۔ ہر انسان اور ہر حکومت عدالت سے انصاف کی طلب گار ہوتی ہے اور یہ ایک فطری تقاضا ہے۔

2- قانون کی تشریح(Explanation of Law): عدلیہ کا ایک اہم فریضہ آئین کے قوانین کی تشریح کرنا بھی ہے۔ مقننہ جب قانون بناتی ہے تو بعض قوانین کی زبان میں ابہام پایا جاتا ہے۔ اس ابہام کو ختم کرنا اور اس کی تشریح کرنا عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔ عدلیہ کی یہ تشریح قانون کے برابر درجہ رکھتی ہے۔ بعض اوقات عدلیہ کو ایسے مقدمات کی سماعت کرنا پڑتی ہے جن کے متعلق واضح قوانین نہیں ہوتے۔ وہاں پر عدلیہ کے جج صاحبان اپنی عقل اور شعور کے مطابق فیصلے دیتے ہیں۔ اس کو عدالت کا قانون کہا جاتا ہے۔ ایسے فیصلے آئندہ کے لئے قانون کا درجہ رکھتے ہیں جب تک متعلقہ امور کے لئے مطلوبہ قانون سازی نہ کر لی جائے۔

3- آئین کی تشریح(Explanation of Constitution): آئین کی تشریح کی ذمہ داری بعض ریاستوں میں صرف اور صرف عدلیہ کے فرائض میں شامل ہے۔ خاص طور پر امریکہ میں کہا جاتا ہے کہ صدر کو زیادہ اختیارات دینے میں امریکہ کی عدلیہ کی عدالت کا بہت بڑا ہاتھ ہے کیونکہ امریکی عدلیہ نے آئین کی تشریح ہمیشہ اس انداز سے کی ہے کہ امریکہ کے وفاق کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کیا گیا۔ بھارت اور پاکستان

میں بھی آئین کی تشریح کے لئے ہمیشہ سپریم کورٹ سے مدد لی جاتی ہے۔ پاکستان میں 1954ء میں جب گورنر جنرل غلام محمد نے پہلی دستور ساز اسمبلی توڑی تو مولوی تمیزالدین کیس میں عدالت عظمیٰ نے اس اقدام کو درست قرار دیا۔ حالانکہ سندھ ہائی کورٹ نے اس کے مخالف فیصلہ دیا تھا۔ 1988ء میں بلوچستان اسمبلی کی معزولی کے مقدمے میں اعلیٰ عدالتوں نے آئین کی وضاحت کی۔ 1988ء میں عام انتخابات کا انعقاد جماعتی بنیادوں پر اعلیٰ عدالتوں کی آئینی تشریح کی وجہ سے ہوا۔ 1992ء میں صدر اسحاق خان نے قومی اسمبلی کو توڑا تو چیف جسٹس نسیم حسن شاہ نے صدر کے اس اقدام کو غیر آئینی قرار دیا۔ اس طرح ججوں کے تقرر کے متعلق سپریم کورٹ نے 1996ء میں جو فیصلہ دیا وہ ایک جرأت مندانہ فیصلہ ہے۔

4- بنیادی حقوق کی حفاظت (Safeguard of Fundamental Rights): عدلیہ جمہوری ریاست میں عوام کے بنیادی حقوق کی حفاظت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس طرح نہ تو انتظامیہ اور نہ ہی مقننہ عوام کے بنیادی حقوق پر کسی قسم کی قدغن لگا سکتی ہے۔ ریاست میں آزاد عدلیہ کی موجودگی میں ریاست کے افراد کے بنیادی حقوق بالکل محفوظ ہوتے ہیں۔ پاکستان' برطانیہ اور امریکہ میں چونکہ قانون حاکمیت کا اصول کارفرما ہے' اس لئے ان ممالک میں عدلیہ عوام کے بنیادی حقوق کی سالمیت پر مکمل نظر رکھتی ہے۔ فرانس میں انتظامی عدالت ہونے کے باوجود افراد کی آزادی اور حقوق بالکل محفوظ ہیں۔

5- آئین کا تحفظ (Protection to Constitution): عدلیہ جمہوری ریاست میں نہ صرف معاشرہ کے افراد کے حقوق کا تحفظ کرتی ہے بلکہ مقننہ پر اس حوالے سے کڑی نظر رکھتی ہے کہ کہیں کوئی ایسا قانون تو نہیں بنایا گیا جو معاشرہ کے افراد کی امنگوں کا ترجمان نہ ہو' یا وہ قانون ریاست کے نظریاتی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ وفاقی حکومت میں مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی تقسیم کو بھی عدلیہ اپنی نگرانی میں رکھتی ہے تاکہ اختیارات کی تقسیم غیر آئینی نہ ہو۔

6- عدالتی نظرثانی (Judicial Review): عدالتی نظرثانی کا اصول امریکہ میں عملی طور پر کارفرما ہے۔ امریکہ میں سپریم کورٹ کانگرس یا ریاستوں کے بنائے ہوئے وہ تمام قوانین جو آئین سے متصادم ہوں' ان کو عدالت نظرثانی کے اختیار سے ختم کرنے کی مجاز ہے۔

7- توہین عدالت (Contempt of Court): عدلیہ کو جمہوری ریاست نے یہ بھی اختیار دیا کہ اگر کوئی شخص یا ادارہ ملک کی عدلیہ کے خلاف توہین آمیز کلمات کہے یا عدالت کے خلاف بے ہنگم باتیں پھیلائے یا عدالت کے خلاف تعصب پیدا کرے یا پھر انصاف کرنے میں رکاوٹ پیدا کردے تو عدالت اسے توہین عدالت کے ذریعے قرار واقعی سزا دے۔

8- مشاورتی کردار (Advisory Role): بھارت اور پاکستان میں سپریم کورٹ' انتظامیہ اور مقننہ کو کسی بھی قانونی مسئلے پر مشورہ دینے کی آئینی طور پر پابند ہے۔ لیکن مقننہ پر یہ فرض نہیں کہ وہ عدلیہ کے مشورے کی پابندی بھی کرے۔ امریکی سپریم کورٹ نے آئین میں مشاورتی کردار ادا کرنے سے انکار کردیا تھا۔

9- انتظامی فرائض (Administrative Functions): شہریوں کے باہمی جھگڑوں یا حکومت کے ساتھ مقدمات میں عدلیہ کو بعض انتظامی فیصلے بھی کرنا پڑتے ہیں مثلاً کسی شہری کی غیر قانونی گرفتاری کو ختم کرنا' جائیداد کے متولی یا گارڈین مقرر کرنا' حکم امتناعی جاری کرنا وغیرہ۔
مذکورہ بحث سے پتہ چلتا ہے کہ جدید جمہوری ریاست میں عدلیہ کا کردار بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ خاص طور پر پاکستان میں پچھلے چند سالوں میں عدلیہ نے ملک کے اندر بہت جرأت مندانہ اور دلیرانہ فیصلے جاری کرکے پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر عزت دلوائی ہے۔ خاص طور پر پاکستانی عدلیہ نے ہیومین رائٹس کی بنیاد پر جو فیصلے صادر کئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔ دراصل مرحوم ضیاء الحق کے زمانے میں عدلیہ کی آزادی کو بہت محدود کردیا گیا تھا۔ پھر بینظیر حکومت کے زمانے سے بدعنوانی اور کرپشن نے عدلیہ کے کردار کو بہت زیادہ مشتبہ بنا دیا تھا۔ لیکن اب عدلیہ کی آزادی پھر سے بحال ہوتی ہوئی نظر آتی ہے' جو ایک نیک شگون ہے۔

اطرازِ حکومت

پارلیمانی طرزِ حکومت
(Parliamentry Form of Government)

سوال: پارلیمانی حکومت سے کیا مراد ہے؟ نیز اس کی خصوصیات لکھیں۔

جواب:

پارلیمانی حکومت
(Parliamentary Government)

پارلیمانی طرزِ حکومت کو وزارتی یا ذمہ دار حکومت بھی کہا جاتا ہے۔ پارلیمانی حکومت تو اسے اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حقیقی انتظامیہ کو پارلیمنٹ تخلیق کرتی ہے اور چونکہ یہ پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے' اس لئے اسے ذمہ دار حکومت کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے وزارتی حکومت کے نام سے اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس میں حقیقی انتظامیہ' مجلس وزرا یا کابینہ ہوتی ہے۔

اس طرزِ حکومت میں حقیقی اور برائے نام انتظامیہ میں واضح امتیاز کیا جاتا ہے۔ ریاست کا سربراہ یا تو انگلستان کی طرح موروثی بادشاہ ہو سکتا ہے یا وہ منتخب صدر ہو سکتا ہے' جیسا کہ ہندوستان میں ایک خاص مدت کے لئے منتخب ہوتا ہے لیکن دونوں صورتوں میں وہ برائے نام اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ اسے ملک کے آئینی سربراہ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ وہ ریاست کا محض رسمی سربراہ ہوتا ہے۔ قانونی طور پر اسے وہ تمام اختیارات اور مراعات حاصل ہیں جو آئین اسے عطا کرتا ہے۔ لیکن عملی طور پر وہ ان اختیارات کو بروئے کار نہیں لاتا۔ حکومت کے کام میں اس کی مرضی کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے برائے نام مقتدر اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ انتظامیہ کے حقیقی اختیارات مجلس وزرا یا کابینہ کے پاس ہوتے ہیں اور وزیر اعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اسے ملک میں قانونی حیثیت حاصل نہیں لیکن بقول میریٹ: ''یہ ایک ایسا محور ہے جس کے گرد پوری سیاسی مشینری گھومتی ہے۔ یہ ملک کے اعلیٰ ترین انتظامی اختیارات کی مالک ہوتی ہے''۔ بارکر کے نزدیک یہ ایک ایسی مقناطیسی قوت ہے جو حکومت کے تمام نظم و نسق کی نگرانی کرتی ہے اور اسے مربوط بناتی ہے یہ مقننہ کے کام کی بھی رہنمائی کرتی ہے۔

پارلیمانی طرزِ حکومت میں کابینہ صرف ان وزرا پر مشتمل ہوتی ہے جو اہم محکموں کے سربراہ ہوتے ہیں۔ یہ ارکان عموماً ہفتے میں ایک دفعہ وزیر اعظم کی صدارت میں بحیثیت مجموعی اجلاس کرتے ہیں اور ملک کے لئے پالیسی کا تعین کرتے ہیں۔ کابینہ ملک کے تمام وزرا پر مشتمل ہوتی ہے جنہیں حکومت کا کوئی نہ کوئی محکمہ تفویض کیا جاتا ہے۔ اس میں وزرائے مملکت' نائب وزرا اور پارلیمانی سیکرٹری بھی شامل ہوتے ہیں۔ وزارت بحیثیت مجموعی اجلاس نہیں کرتی اور پالیسی کے امور پر کبھی غور و خوض نہیں کرتی ہر وزیر کے فرائض انفرادی نوعیت کے ہوتے ہیں اور اس محکمے سے تعلق رکھتے ہیں جو اسے تفویض کیا گیا ہے۔ ان کا کام اس پالیسی کو عملی جامہ پہنانا ہے جو کابینہ مرتب کرتی ہے۔ اس طرح کابینہ اعلیٰ ترین انتظامی اختیار کی مالک ہوتی ہے۔ اس لئے اس طرزِ حکومت کو کابینہ طرزِ حکومت بھی کہتے ہیں۔

پارلیمانی حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Parliamentary Government):

1- ایسی ریاست جہاں پارلیمانی طرزِ حکومت رائج ہو وہاں سربراہ ریاست کی حیثیت برائے نام ہوتی ہے یعنی وہ رسمی سربراہ ہوتا ہے۔ اگرچہ قانونی طور پر حکومت کا کاروبار اسی کے نام پر چلتا ہے لیکن درحقیقت وہ محض ظاہری شان کا مالک ہوتا ہے۔ حقیقی اختیارات اس کے پاس نہیں ہوتے۔

2- انتظامیہ کے حقیقی اختیارات کابینہ کے پاس ہوتے ہیں جس کے قائد کو وزیر اعظم کہا جاتا ہے۔

3- کابینہ مقننہ کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی تمام حکمت عملیوں اور اعمال کے لیے مقننہ کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے اور اس وقت تک برسرِ اقتدار رہتی ہے جب تک اسے مقننہ کا اعتماد حاصل رہے۔ اس میں تمام وزرا کی ذمہ داری مشترک ہوتی ہے۔ اگر ایک وزیر کے خلاف عدمِ اعتماد کا ووٹ پاس ہو جائے تو یہ تمام وزارت کے خلاف عدمِ اعتماد ہوتا ہے۔

www.downloadclassnotes.com

-4 مجلس وزرا کے اراکین مقننہ کے بھی رکن ہوتے ہیں۔ وہ اس پارٹی سے لیے جاتے ہیں جسے مقننہ میں اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ اکثریت والی پارٹی کا قائد وزیراعظم بن جاتا ہے اور اس کے مشورے سے ریاست کا سربراہ دوسرے وزرا کا تقرر عمل میں لاتا ہے۔ اس طرح مجلس وزرا ایک متجانس جماعت ہوتی ہے۔ اگر مقننہ میں کسی جماعت کو قطعی اکثریت حاصل نہ ہو تو پھر دو یا زیادہ جماعتیں مل کر کابینہ کی تشکیل کرتی ہیں۔ اس قسم کی کابینہ کو مخلوط حکومت کہا جاتا ہے۔

-5 وزرا صرف اس وقت تک ہی برسراقتدار رہ سکتے ہیں جب تک:

(i) اس پارٹی کو جس کے وہ رکن ہیں، مقننہ میں اکثریت حاصل رہتی ہے۔

(ii) اس پارٹی کو مقننہ کا اعتماد حاصل رہتا ہے

(iii) مقننہ کی معیاد ختم نہیں ہو جاتی۔

-6 وزرا مقننہ کے رکن بھی ہوتے ہیں اور انتظامی محکموں کے سربراہ بھی۔ اس طرح انہیں حکومت میں دوہری حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مقننہ میں اکثریت والی پارٹی ہونے کی حیثیت سے وہ قوانین وضع کرنے کے ذمہ دار ہوتے ہیں اور بحیثیت انتظامیہ کے رکن وہ حکومت کے مختلف محکموں کی نگرانی کرتے ہیں اور قوانین کا نفاذ عمل میں لاتے ہیں۔ اس طرح پارلیمانی حکومت قانون سازی اور انتظامیہ کے فرائض کو یکجا کر دیتی ہے۔

-7 اس طرز حکومت میں تقسیم اختیارات کے نظریہ پر عمل نہیں کیا جاتا۔ اس طرز کی حکومت برطانیہ، دولت مشترکہ کے دیگر ممالک، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہندوستان وغیرہ اور متعدد یورپی ممالک میں رائج ہیں۔

سوال: پارلیمانی طرزحکومت کی خوبیاں/خامیاں لکھیں۔ (لاہور بورڈ 2015ء؛ 2017ء؛ فیصل آباد بورڈ 2014ء؛ گوجرانوالہ بورڈ 2014ء)

جواب: پارلیمانی طرزحکومت کی خوبیاں
(Merits of Parliamentary Government)

1- ہم آہنگی (Co-operation): پارلیمانی نظام میں انتظامیہ اور مقننہ میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ چونکہ مجلس وزرا کے اراکین مقننہ کے بھی رکن ہوتے ہیں اس لئے حکومت کے یہ دونوں شعبے اتحاد اور تعاون سے کام کرتے ہیں۔ وزرا ملک کی ضروریات سے مقننہ کو آگاہ کرتے ہیں اور مقننہ اپنے خیالات سے انتظامیہ کو باخبر رکھتی ہے کیونکہ وزرا مقننہ کی کارروائیوں میں عملی طور پر شریک ہوتے ہیں۔ انہیں مقننہ کے دوسرے اراکین کی آرا اور خیالات کا علم ہوتا ہے۔ اس طرح ان دونوں میں اتحاد عمل اور قریبی تعلق استوار ہوتا ہے۔ انتظامیہ، مقننہ میں اکثریت کی حمایت سے ضروری قوانین پاس کروا سکتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں میں اختلاف کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے۔

2- لچک (Flexible): پارلیمانی نظام لچک دار ہوتا ہے اور اس میں حالات کے مطابق ڈھل جانے کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ ہنگامی حالات یا قومی بحران کے وقت لوگ موقع کے مطابق صحیح فرماں روا کا چناؤ کر سکتے ہیں تاکہ وہ ان نازک حالات سے احسن طریقے سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ میں مسٹر چرچل کا انتخاب اسی اصول کے تحت عمل میں آیا تھا۔ اس وقت دوسرے عام انتخاب کی زحمت نہیں اٹھانی پڑی۔ حکومت کے نظام میں ایسی لچک کی موجودگی ہنگامی حالات میں تقویت کا باعث بنتی ہے۔

3- ذمہ داری (Responsibility): پارلیمانی نظام کو ذمہ دار حکومت کہنا بالکل درست ہے۔ یہ واحد ایسی طرز حکومت ہے جس میں حکمران طبقے کا موثر طریق سے محاسبہ کیا جا سکتا ہے اور وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے پارلیمنٹ کے سامنے ذمہ دار ہوتی ہے۔ مجلس وزرا یا انتظامیہ عوام کے نمائندوں کی خواہشات اور مطالبات کو نظر انداز نہیں کرسکتی۔ وزرا عوام کے نمائندے ہوتے ہیں اور اگر وہ عوام کی خواہشات کا احترام نہ کریں تو عوام انہیں دوبارہ منتخب نہیں کریں گے یا مقننہ ان کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار کر کے انہیں اقتدار سے محروم کرسکتی ہے۔ اس طرح پارلیمانی طرزحکومت میں انتظامیہ مقننہ یا عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے اور اس پر کڑی نگرانی کی جاسکتی ہے۔

4-بہتر نظم و نسق (Better Administration): پارلیمانی نظام میں نظم و نسق بہتر طریق پر سرانجام پاتا ہے۔اس طرز حکومت میں وزرا مقننہ کے رکن ہوتے ہیں اور اس کے اجلاس میں شرکت کرتے ہیں۔ان کو عوام کے نمائندوں کے سوالوں کے جواب دینا پڑتے ہیں۔اس طرح یہ طریقہ جس میں وزرا اپنی سرگرمیوں کے لئے عوام کے سامنے جواب دہ ہوں' عوام کی تکالیف اور شکایات کا ازالہ کرنے میں بڑا کارآمد ہوتا ہے۔یہ ایک ایسا موثر طریقہ ہے جس سے وزرا اور حکومت کے عہدہ داروں کے غلط اقدامات برسرعام آجاتے ہیں۔اس لئے وزرا ملک کا نظم و نسق بہتر طریق سے سرانجام دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

5-تربیت (Training): پارلیمانی نظام میں دوسری حکومتوں کی نسبت قومی رہنماؤں اور حکمران طبقوں کی تربیت بہتر طریقے سے ہوتی ہے۔یہ نظام لائق اور تجربہ کار اشخاص کو ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے جس سے وہ اپنی فطری صلاحیت اور لیاقت کا لوہا منوا سکیں۔اس میں عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں بحث و تمحیص میں حصہ لیتے ہیں اور جو لوگ اس میدان میں اپنی قابلیت کا سکہ دوسروں پر بیٹھا دیتے ہیں' وہ بہت جلد مجلس وزرا کے رکن بن جاتے ہیں اور انہیں دوسروں کی رہنمائی کرنے کا موقع ملتا ہے۔وزیراعظم کابینہ کے لیے ہمیشہ ان اشخاص کا انتخاب کرتا ہے جو عملی سیاست میں پرکھے جا چکے ہیں اور انہوں نے مجلس قانون ساز کے مباحثوں میں اپنی ممتاز اور نمایاں قابلیت ثابت کر دی ہو۔

6-سیاسی تعلیم (Political Education): پارلیمانی نظام کی تعلیمی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔دوسری طرز ہائے کی نسبت اس میں لوگوں کی سیاسی تربیت زیادہ بہتر طریق سے ہوسکتی ہے۔اس نظام میں منظم سیاسی جماعتوں کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ہر جماعت کا مقصد انتخاب میں کامیابی حاصل کر کے حکومت سنبھالنا ہوتا ہے۔اس کے لیے وہ عوام کے سامنے اپنا پروگرام پیش کرتی ہے اور ان کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے عوام قومی مسائل سے بخوبی آگاہ ہو جاتے ہیں۔علاوہ ازیں اس نظام کے تحت ملکی مسائل پر اسمبلی میں مکمل بحث کی جاتی ہے۔لوگ ان مباحثوں کا بڑی دلچسپی سے مطالعہ کرتے ہیں۔اس سے انہیں قومی مسائل سے مکمل آگاہی ہو جاتی ہے اور ان کی سیاسی تربیت ہو جاتی ہے۔

پارلیمانی طرز حکومت کی خامیاں (Demerits of Parliamentary Government):

1-عدم استحکام (Unstability): پارلیمانی نظام کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ اس طرز حکومت میں انتظامیہ مستحکم نہیں ہوتی ہے۔اگر مقننہ میں صرف دو مضبوط پارٹیاں ہوں تو پھر یہ نظام اچھا کام کرتا ہے۔اکثریت والی پارٹی حکومت کی تشکیل کرتی ہے اور دوسری پارٹی حزب اختلاف کو ترتیب دیتی ہے۔لیکن مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب مقننہ میں دو سے زیادہ پارٹیاں موجود ہوں اور کوئی پارٹی قطعی اکثریت میں نہ ہو۔تو پھر حکومت مختلف پارٹیوں کے اتحاد سے قائم کی جاتی ہے۔یہ مخلوط حکومت قدرتی طور پر کمزور اور غیر مستحکم ہوتی ہے۔

2-غیر مسلسل پالیسی (Discontinuity in Policies): اس نظام میں چونکہ کابینہ کے عہدہ کی معیاد مقرر نہیں ہوتی ہے اور یہ کسی وقت بھی تبدیلی ہوسکتی ہے' اس لئے برسراقتدار پارٹی کسی مسلسل اور دوررس پالیسی پر عمل پیرا نہیں ہوسکتی۔نئی وزارت جب بھی برسراقتدار آتی ہے وہ پہلی وزارت کی پالیسی کو تبدیل کر دیتی ہے اور اپنی پالیسی اور پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتی ہے۔

3-کابینہ کی مطلق العنانی (Cabinet Dictatorship): اگر مقننہ میں صرف ایک پارٹی کو کافی اکثریت حاصل ہو تو کابینہ مطلق العنان ہو جاتی ہے' کیونکہ حکومت میں قانون سازی اور مالیات کا تمام کام کابینہ ہی سرانجام دیتی ہے اور پارٹی کے تمام اراکین کو انتظامیہ کے پروگرام کی تائید کرنی پڑتی ہے۔خواہ وہ ذاتی طور پر حکومت کی پالیسی کے خلاف ہوں۔پارٹی کے سخت نظم و نسق کی وجہ سے کوئی رکن پارٹی کی حکمت عملیوں کے خلاف عمل نہیں کرسکتا۔علاوہ ازیں کابینہ کے پاس مقننہ کو برخاست کرنے کا اختیار بھی ہوتا ہے۔جس کی بنا پر مجوزہ سرگرمیوں کے لئے باآسانی حمایت حاصل کرسکتی ہے۔کیونکہ مقننہ کے عام ارکان دوبارہ انتخاب کے جھمیلوں میں پڑنے سے ہمیشہ خائف رہتے ہیں۔اس طرح کابینہ مقننہ پر اپنا اقتدار قائم کر لیتی ہے اور من مانی کارروائیاں کرسکتی ہے۔اکثر کہا جاتا ہے کہ برطانیہ میں کابینہ مطلق العنان ہے اور پارلیمنٹ اس کی غلام ہے۔

4-ہنگامی حالات میں غیر موثر (Not Appropriate in Emergency Circumstances): پارلیمانی نظام کا ایک اور نقص یہ بھی ہے کہ یہ ہنگامی حالات یا جنگ کے زمانہ میں اتنی موثر نہیں ہوتی جتنی کہ صدارتی طرز حکومت۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مجلس وزرا یا

www.downloadclassnotes.com

کابینہ کا قائد یعنی وزیراعظم جلد فیصلے نہیں کر سکتا' اس کو اپنی مجلس وزرا سے مشورہ کرنا ہوتا ہے اور پھر مقننہ کو بھی اعتماد میں لینا پڑتا ہے۔ اگر مجلس وزرا کے اراکین میں کوئی اختلاف رائے ہو یا انتظامیہ اور مقننہ میں کسی طرزِ عمل پر اتفاق نہ ہو سکے تو کسی حتمی فیصلہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے اور اس طرح قومی مفاد کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہنگامی حالات اور جنگ کے زمانہ میں ہمیشہ جلد فیصلوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو ملک کے لیے خطرہ کا موجب ہوتا ہے۔

5- انتظامی امور سے بے توجہی (Disconcentration from Administrative Affairs): پارلیمانی نظام حکومت میں وزرا کو اپنا کافی وقت مقننہ کی کارروائیوں میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ وہ مقننہ کے رکن ہوتے ہیں اس لئے انہیں مقننہ کے کام میں پوری مستعدی اور سرگرمی سے حصہ لینا پڑتا ہے اور اپنی پالیسی کو حق بجانب ثابت کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح اس نظام میں وقت اور قوت کا کافی ضیاع ہوتا ہے۔ وزرا انتظامی امور کی طرف پوری توجہ نہیں دے سکتے' جس سے ملک کا نظم و نسق بھی متاثر ہوتا ہے۔

6- نا اہل حکومت (Incapable Government): اس نظام حکومت میں وزرا تربیت یافتہ اور ماہر نہیں ہوتے اور جو محکمہ انہیں تفویض کیا جاتا ہے اس کے متعلق عموماً کوئی علم نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ متعلقہ مسائل سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ وزرا کی نامزدگی کے وقت وزیراعظم کے سامنے ان کی اہلیت اور متعلقہ محکمے کا تجربہ نہیں ہوتا' بلکہ صرف پارٹی کے ساتھ ان کی وفاداری اور خدمت کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ تقرری کے بعد وزرا کا بیشتر وقت پارلیمنٹ کے امور یا دیگر سیاسی مصروفیات میں صرف ہوتا ہے۔ اپنے مختصر اور غیر یقینی عہد ملازمت کی وجہ سے بھی وہ اپنے محکمے کی باریکیوں کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور اپنے مستقل سرکاری ملازمین کے ہاتھ میں محض کٹھ پتلی بن کر رہ جاتے ہیں۔ اس طرح ایک نا اہل حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے۔

صدارتی طرز حکومت
(Presidential Form of Government)

سوال: صدارتی طرز حکومت سے کیا مراد ہے؟ اس کی خصوصیات بیان کریں۔

جواب: **صدارتی طرز حکومت**

(Presidential Form of Government)

صدارتی طرز حکومت میں انتظامیہ کے حقیقی اختیارات فرد واحد کو حاصل ہوتے ہیں۔ وہ عوام کا منتخب شدہ نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب ایک مقررہ مدت کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کے اختیارات کی آئین میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔

یہ نظام حکومت تقسیم اختیارات کے اصول پر کام کرتا ہے۔ اس میں مقننہ اور انتظامیہ دونوں علیحدہ علیحدہ اختیارات کے مالک ہوتے ہیں۔ انتظامیہ اپنی کارروائیوں کے لئے مقننہ کے سامنے جواب دہ نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے عہدہ کی معیاد اس کی رائے پر منحصر ہوتی ہے۔ ریاست کا سربراہ یعنی صدر پارلیمانی طرز حکومت کے برعکس حقیقی اختیارات کا مالک ہوتا ہے اور وہ تمام اختیارات جو آئین نے اسے تفویض کئے ہیں خود استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے وزرا کا تقرر کرتا ہے جو انتظامی امور میں اس کی معاونت کرتے ہیں لیکن صدر اور اس کے وزرا کا مقننہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ وزرا صرف صدر کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں کیونکہ صدر نہ صرف ریاست کا سربراہ ہوتا ہے بلکہ انتظامیہ کا بھی قائد ہوتا ہے۔

حکومت کی پالیسی دراصل صدر کی پالیسی ہوتی ہے اور وزرا صرف صدر کے مشیروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ صدر ان کے مشورے کا پابند نہیں ہوتا اور یہ اس کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کسی معاملہ میں ان کی رائے لے یا نہ لے اور اس کے مطابق عمل کرے یا نہ کرے۔ وزرا ہر لحاظ سے صدر کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

خصوصیات (Characteristics): اس نظام حکومت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- ریاست کا سربراہ افراد کا منتخب نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کے انتخاب کا طریقہ اور عہدہ کی معیاد آئین میں درج ہوتی ہے۔

-2 صدر کے عہدہ کی معیاد مقرر ہوتی ہے۔ اسے سوائے بطریق مواخذہ اپنے عہدہ سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔

-3 انتظامیہ مقننہ کی تخلیق کردہ نہیں ہوتی اور نہ ہی برسراقتدار رہنے کے لئے اس کے اعتماد کی محتاج ہوتی ہے۔

-4 ریاست کا سربراہ یعنی صدر حکومت کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ انتظامیہ کے حقیقی اختیارات کا مالک ہوتا ہے اور محض رسمی سربراہ نہیں ہوتا ہے۔

-5 صدر اپنی مدد کے لئے کئی وزرا کا تقرر کرتا ہے' جنہیں امریکہ میں سیکریٹری کہا جاتا ہے۔ وہ صدر کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں اور صدر کی خوشنودی تک اپنے عہدے پر فائز رہتے ہیں۔

-6 اس میں انتظامیہ اور مقننہ میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دونوں کے اختیارات جداگانہ ہوتے ہیں۔ صدر کا انتخاب ایک مقررہ مدت تک کیا جاتا ہے۔ اس سے پہلے مقننہ اسے اپنے عہدہ سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ صدر اور وزرا مقننہ کی کارروائی میں حصہ نہیں لے سکتے اور نہ ہی وہ اس کے سامنے جوابدہ ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس صدر مقننہ کو برخاست نہیں کر سکتا۔ وہ مقررہ مدت تک کام کرتی ہے۔

-7 یہ نظام حکومت تقسیم اختیارات کے اصول پر عمل کرتا ہے۔ اس میں انتظامی' قانون سازی اور عدالتی اختیارات ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں' لیکن یہ علیحدگی قطعی نہیں ہوتی بلکہ اس میں حدود و توازن کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔

ہر ادارہ دوسرے کے اختیارات پر نگرانی رکھتا ہے اور خود بھی دوسرے کے اختیارات کا پابند ہوتا ہے۔ یہ طرز حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور تقریباً تمام لاطینی امریکی ریاستوں میں رائج ہے۔ پاکستان میں 1962ء کے آئین کی رو سے یہی طریقہ رائج تھا۔

سوال: صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں' خامیاں اور نقائص بیان کریں۔

جواب:

صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں

(Merits of Presidential Government System)

1- استحکام (Stability): اس طرز حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک نمائندہ حکومت کے ساتھ ساتھ یہ مقننہ کی متزلزل مرضی کے تابع نہیں ہوتی۔ انتظامیہ کے عہد کی معیاد مقرر ہوتی ہے' اس لئے انتظامیہ غیر مستحکم نہیں ہوتی۔ مقننہ میں خواہ کسی پارٹی کو اکثریت حاصل ہو جائے' انتظامیہ یعنی صدر اور وزرا کو اپنی مقررہ معیاد سے پہلے علیحدہ ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

2- مسلسل پالیسی (Continuous Policies): کیونکہ انتظامیہ کی معیاد مقرر ہوتی ہے' اس لئے وہ ایک مسلسل اور مضبوط پالیسی پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ صدر یہ جانتا ہے کہ اسے مقررہ معیاد سے پہلے اپنے عہدہ سے ہٹایا نہیں جا سکتا اس لئے وہ لمبے عرصے والی پالیسی اختیار کر سکتا ہے اور اس پر عمل درآمد کرا سکتا ہے۔ اس طرح حکومت کی پالیسی میں تسلسل پایا جاتا ہے۔

3- خودمختار انتظامیہ (Independent Administration): یہ طرز حکومت تقسیم اختیارات کے اصول پر کام کرتی ہے۔ انتظامیہ اور مقننہ میں کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔ انتظامیہ کے اختیارات جداگانہ ہوتے ہیں' اس طرح صدر اور وزرا اپنا پورا وقت انتظامی امور کو سلجھانے میں صرف کر سکتے ہیں۔ انہیں قانون سازی کے امور میں حصہ نہیں لینا پڑتا۔ جس سے نظم و نسق میں یقیناً بہتری ہوتی ہے۔

4- مقننہ کی آزادی (Independence of Legislature): صدارتی طرز حکومت میں مقننہ اپنی آزاد حیثیت کو برقرار رکھ سکتی ہے اور وہ انتظامیہ سے بالکل علیحدہ ہوتی ہے اور موخرالذکر اس پر کنٹرول نہیں کر سکتی۔ اگر صدر کی پارٹی کو مقننہ میں اکثریت بھی حاصل ہو تو پھر بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ مقننہ اندھا دھند صدر کی تقلید کرے گی۔ اس طرح مقننہ عاملہ کے ناواجب اثر اور دباؤ سے آزاد رہ کر کام کر سکتی ہے۔

5- ہنگامی حالات میں موثر (Effective in Emergency): اس نظام حکومت کا یہ فائدہ ہے کہ ہنگامی حالات میں صدر بروقت اور موثر اقدام کر سکتا ہے۔ اسے اپنی مجلس وزرا سے بھی مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اس میں اس کی حیثیت آقا کی ہوتی ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ ان کے مشوروں پر عمل کرے۔ وہ ان کی رائے کا پابند نہیں ہوتا اور اپنی مرضی سے فیصلے کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ ہنگامی حالات سے

بغیر کسی تاخیر کے عہدہ برآ ہو سکتا ہے اور نظم و نسق میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی ہے۔

صدارتی طرز حکومت کی خامیاں (Demerits of Presidential System):

1- عدم موافقت (Unsuitability): چونکہ یہ طرز حکومت تقسیم اختیارات کے اصول پر کام کرتی ہے اس لئے مقننہ اور انتظامیہ میں رابطہ نہیں ہوتا اور یہ علیحدگی دونوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اگر مقننہ میں صدر کی پارٹی کو اکثریت حاصل نہ ہو تو حکومت کے کام میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اور ملک میں نظم و نسق کا کام ٹھیک طرح پر سرانجام نہیں پاسکتا اور سچ تو یہ ہے کہ اگر مقننہ میں اکثریت والی پارٹی بھی ہو تو پھر بھی وہ تمام قوانین اپنی مرضی سے پاس نہیں کر سکتا کیونکہ وہ مقننہ میں اکثریت والی پارٹی کا قائد نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ یا اس کے وزیر مقننہ کی کارروائیوں میں عملی طور پر شریک ہو سکتے ہیں۔ اگر اکثریت مخالف پارٹی کو حاصل ہو تو پھر صدر کی پالیسی کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔

2- بے لچک (Unflexible): یہ نظام حکومت بے لچک ہوتا ہے۔ اگر صدر نا اہل ہو اور ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اسے علیحدہ کر کے کسی اہل اور قابل شخص کو مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ وہ آئین کی رو سے مقررہ مدت تک اپنے عہدہ پر فائز رہے گا۔ اس طرح اس طرز حکومت میں بدلتے ہوئے حالات کے مطابق ڈھل جانے کی خاصیت نہیں پائی جاتی۔ صدر کو سوائے موت یا مکمل مواخذہ کے مقررہ معیاد سے پہلے اپنے عہدہ سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اس میں لچک کا عنصر مفقود ہوتا ہے۔

3- غیر ذمہ دار (Unresponsible): صدارتی نظام حکومت کو غیر ذمہ دار طرز حکومت بھی کہتے ہیں۔ صدر مقننہ یا عوام کے محاسبہ سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ مقننہ کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا ہے۔ مقننہ خواہ ان قوانین کو پاس نہ کرے جن کی صدر نے سفارش کی ہے لیکن وہ اسے ان اختیارات سے محروم نہیں کر سکتی ہے جو آئین نے اسے تفویض کئے ہیں۔ ووٹر بھی اسے مقررہ مدت سے پہلے اپنے عہدے سے علیحدہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال بھی کر سکتا ہے اور قومی زندگی میں کئی قسم کے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔

4- غیر تربیت یافتہ انتظامیہ (Untrained Administration): اس طرز حکومت میں صدر اپنی کابینہ میں ایسے اشخاص کا تقرر عمل میں لاتا ہے جو اس کے دوست، رشتہ دار یا منظور نظر ہوں۔ وہ عوام کے نمائندے نہیں ہوتے اور قومی مسائل کے متعلق ان کا تجربہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ وہ مقننہ کے رکن نہیں ہوتے اور نہ ہی عملی سیاست میں ان کی کوئی تربیت ہوتی ہے۔
وہ محض صدر کے مشیر کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اس طرح کابینہ غیر تربیت یافتہ اشخاص پر مشتمل ہوتی ہے۔

5- استوار آئین (Rigid Constitution): اس طرز حکومت کا آئین عموماً استوار ہوتا ہے۔ اس میں ترمیم کا طریقہ بڑا مشکل ہوتا ہے اس لئے اسے حالات کے مطابق آسانی سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس کے اصولوں پر خواہ امن کا زمانہ ہو یا جنگ' کا حرف بحرف عمل کیا جاتا ہے اور آئین کی کسی دفعہ کو معرض التواء میں نہیں ڈالا جاسکتا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ میں صدر کے انتخابات دو دفعہ منعقد ہوئے۔ جب کہ انگلستان کی پارلیمنٹ کی رو سے عام انتخابات کو التوا میں ڈال دیا گیا تھا اور ہنگامی حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے آئین میں با آسانی ترمیم کر لی گئی تھی۔ لیکن صدارتی نظام حکومت جس کا آئین عموماً استوار ہوتا ہے ایسا کرنا ممکن نہیں۔

سوال: پارلیمانی اور صدارتی طرز ہائے حکومت میں فرق بیان کریں۔

جواب:

پارلیمانی اور صدارتی طرز ہائے حکومت میں فرق

(Difference Between Parliamentry and Presidential Government System)

1- وزارتی طرز حکومت میں ریاست کا سربراہ بادشاہ یا صدر رسمی اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔ برطانیہ میں جہاں وزارتی طرز حکومت رائج ہے ملکہ ریاست کی سربراہ ہے۔ لیکن وہ حقیقی اختیارات کی مالک نہیں۔ انتظامیہ کے حقیقی اختیارات وزیر اعظم یا مجلس وزرا کے پاس ہوتے ہیں لیکن صدارتی طرز حکومت میں ریاست کا سربراہ انتظامیہ کا بااختیار قائد ہوتا ہے۔
مثال کے طور پر امریکہ کا صدر انتظامیہ کے حقیقی اختیارات کا مالک ہوتا ہے۔

2- صدارتی طرز حکومت تقسیم اختیارات کے نظریہ پر مبنی ہوتی ہے۔ اس طرز حکومت میں مقننہ اور انتظامیہ میں براہ راست کوئی رابطہ یا تعلق نہیں ہوتا۔ یہ مندرجہ ذیل حقائق سے واضح ہوتا ہے:

(i) صدر یا اس کے وزرا مقننہ کی کارروائی میں عملی حصہ نہیں لے سکتے۔

(ii) وہ مقننہ کے سامنے کسی خاص مسودہ قانون کے بارے میں اپنے موقف کی حمایت نہیں کر سکتے' کیونکہ وہ زیادہ تر ملک میں نظم و نسق کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

(iii) اگر صدر اور اس کے وزرا کی پالیسی کو مقننہ کی حمایت حاصل نہ ہو تو وہ اپنے عہدوں سے مستعفی نہیں ہوتے۔

(iv) صدر مقننہ کو اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا ہونے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ نہ ہی اسے برخاست کرنے کی دھمکی دے کر راہ راست پر لا سکتا ہے۔ اس کے برعکس پارلیمانی طرز حکومت میں مقننہ اور انتظامیہ کا آپس میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔ یہ مندرجہ ذیل باتوں سے ظاہر ہوتا ہے:

(الف) تمام وزرا مقننہ کے رکن ہوتے ہیں۔

(ب) وہ تمام اہم مسودہ ہائے قوانین مقننہ میں خود پیش کرتے ہیں اور منظم اکثریت والی پارٹی کی حمایت سے اسے پاس کرا لیتے ہیں۔ جن قوانین کو وہ پسند نہ کریں' انہیں پاس ہونے سے روک سکتے ہیں۔ مقننہ کی رکنیت حاصل ہونے کی وجہ سے وہ اپنی پالیسی اور اعمال کی تائید کر سکتے ہیں۔

(ج) اگر مقننہ میں ان کی پالیسی کو شکست ہو جائے تو مجلس وزرا یا تو خود مستعفی ہو جاتی ہے یا مقننہ کو برخاست کرا دیتی ہے۔ غرض یہ کہ مقننہ اور انتظامیہ کا آپس میں بڑا گہرا رشتہ ہے اور وہ ایک دوسرے پر انحصار کرتے ہیں۔

3- پارلیمانی اور صدارتی نظام حکومت کی مجالس وزرا میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ پارلیمانی اور وزارتی طرز حکومت میں وزیراعظم اپنی مجلس وزرا کی تشکیل کرتے وقت اپنی پارٹی کے اہم کارکنوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ مجلس وزرا کے اراکین حقیقی معنوں میں اس کے ساتھی ہوتے ہیں۔ وہ اہم معاملات میں ان کی رائے اور مشورے کو ٹھکرا نہیں سکتا۔

صدارتی طرز حکومت میں صدر اپنی مجلس وزرا کا آقا ہوتا ہے اور موخر الذکر کو محض مجلس مشاورت کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ کسی رکن کو برخاست کیا جا سکتا ہے۔ اس سے اس کی اپنی حیثیت بالکل متاثر نہیں ہوتی۔

حاصل بحث (Conclusion): اس بحث سے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کون سا طرز حکومت زیادہ بہتر ہے۔ یہ دراصل ہر ملک کے مخصوص حالات پر منحصر ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پروفیسر گارنر کی رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے ''اس بات کو زیادہ واضح کرنے کی ضرورت نہیں کہ تمام حالات اور انسانی معاشرہ کے لئے بہترین حکومت کون سی ہے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ معاشرہ کتنا ترقی یافتہ ہے' لوگوں کی سیاسی صلاحیت اور ذہانت کتنی ہے' ان کی روایات اور نسلی خصوصیات کیا ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سے عوامل کو مدنظر رکھنا ہوگا۔'' ہم وثوق سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک طرز حکومت اگر ایک ملک میں کامیابی سے رائج ہے تو وہ دوسرے ملک کے لئے بھی موزوں ثابت ہوگا۔ اس کا انحصار ہر ملک کے خاص حالات پر ہوتا ہے مثلاً وزارتی طرز حکومت برطانیہ میں نہایت کامیابی سے چل رہا ہے' لیکن جب اسی نظام کو پاکستان میں رائج کیا گیا تو یہ اس ملک کے لئے مفید ثابت نہ ہوا اور بالآخر اس کی جگہ صدارتی نظام نے لے لی۔ پارلیمانی نظام بنیادی طور پر ناقص نہیں لیکن اس کی کامیابی کے لئے بعض شرائط کا ہونا ضروری ہے مثلاً لوگ سیاسی طور پر باشعور ہوں' ملک میں مضبوط اور بیدار رائے عامہ موجود ہو جو نمائندوں کا موثر طریق سے محاسبہ کر سکے۔ سیاسی جماعتیں ملکی بہبود کا واضح پروگرام رکھتی ہوں اور ٹھوس اصولوں پر قائم کی گئی ہوں اور یہ سیاسی معاملات میں رواداری اور دیانت سے کام لیں۔ اگر یہ حالات موجود ہوں تو پارلیمانی نظام مفید نتائج پیدا کر سکتا ہے' بصورت دیگر اس کی کامیابی مشکوک ہوتی ہے۔ یہی حال صدارتی نظام کا ہے۔ امریکہ میں یہ بڑی کامیابی سے چل رہا ہے' لیکن یہ ضروری نہیں کہ کسی ملک میں اسے جوں کا توں اپنا لیا جائے اور اس سے وہی نتائج برآمد ہوں جو امریکہ میں برآمد ہو رہے ہیں۔ کسی نظام کی موزونیت اور کامیابی کا دارومدار دراصل عوام کے مزاج' سیاسی شعور اور ملک کے معاشی و معاشرتی حالات پر ہوتا ہے۔

☆

وحدانی طرزِ حکومت
(Unitary Form of Government)

سوال: وحدانی طرزِ حکومت سے کیا مراد ہے؟ اس کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کریں۔

جواب: تعارف: وحدانی طرزِ حکومت میں پورا ملکی نظم ونسق ایک ہی مرکز کے سپرد ہوتا ہے اور اس کے اختیارات میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔ انتظامی سہولتوں کے پیشِ نظر ملک کو مختلف اکائیوں یا صوبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے لیکن ان کو خود مختارانہ اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ مرکزی حکومت جب چاہے ان میں کمی بیشی کر سکتی ہے۔

وحدانی طرزِ حکومت سے مراد
(Meaning of Unitary Form of Government)

وحدانی حکومت کی تعریف(Definition of Unitary Government):

ڈائسی (Dicey): ''وحدانی حکومت میں کل اقتدار ایک مرکزی حکومت کے سپرد کیا جاتا ہے جہاں مقامی حکومتیں اپنے اختیارات اور آزادی کو حاصل کرتی ہیں۔''

مندرجہ بالا بحث وتعریف کی رو سے ایک وحدانی حکومت کی جو خصوصیات ہو سکتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

1- وحدانی حکومت میں مرکزی مقننہ کو قانون سازی کے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔
2- وحدانی حکومت میں تمام اختیارات کا سرچشمہ مرکزی حکومت ہوتی ہے۔
3- مرکزی حکومت، صوبائی حکومتوں کے لئے علاقے کا تعین کرتی ہے۔
4- وحدانی حکومت میں صوبائی یا مقامی حکومتیں براہ راست مرکز کے ماتحت ہوتی ہیں۔

وحدانی حکومت کی خوبیاں(Merits of Unitary Government):

1- اتحاد، ہم آہنگی(Unity, Cooperation): اس نظامِ حکومت میں چونکہ تمام اختیارات مرکزی تنظیم کے پاس ہوتے ہیں، اس لئے اس میں اتحاد، ہم آہنگی اور یگانگت کا مظاہرہ زیادہ موثر طریقے پر ہوتا ہے۔ ملک تنظیمی لحاظ سے ایک وحدت متصور ہوتا ہے اور ملک میں مکمل ہم آہنگی رہتی ہے۔ اس لئے ملک بدنظمی اور انتشار سے بچ جاتا ہے۔

2- نظم ونسق اور قوانین میں یکسانیت(Uniformity in Administration and Laws): وحدانی طرزِ حکومت میں مرکز ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت کی پالیسی، نظم ونسق اور قوانین سازی میں یکسانیت ہوتی ہے۔

3- محدود اخراجات(Limited Expenditure): وحدانی طرزِ حکومت ایک انتظامیہ ایک مقننہ کے اصول پر قائم رہتی ہے۔ اس لئے اخراجات بہت محدود ہوتے ہیں۔

4- سادہ طرزِ حکومت(Simple Government System): اس نظامِ حکومت کی تنظیم بہت سادہ ہوتی ہے۔ تمام نظام صرف ایک ہی مرکزی حکومت کے گرد گھومتے ہیں اور عوام اس طرزِ حکومت کو زیادہ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

5- بغاوت سے پاک(Rebellion Free): وحدانی طرزِ حکومت میں صوبوں کو کوئی دستوری اختیارات نہیں ملے ہوئے ہوتے۔ مرکز

کو تمام صوبوں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ اختیارات کی مرکزیت بغاوت کے خطرہ کو کم کرنے کا باعث بنتی ہے۔

6- موثر طرز حکومت (Effective Government System): اس نظام کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ طرز حکومت بہت مضبوط اور موثر ثابت ہوئی ہے۔ چونکہ مرکز کو کسی صوبائی حکومت سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی' اس لئے خارجہ پالیسی اور عوامی دفاع کے لیے میدان میں فوری فیصلے کئے جاسکتے ہیں۔

حب الوطنی کا جذبہ (Passion of Patriotism): وحدانی طرز حکومت ہی لوگوں کی سیاسی توجہ کا مرکز رہتی ہے۔ اس لئے اس میں حب الوطنی کا جذبہ زیادہ' مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے۔

وحدانی حکومت کی خامیاں (Demerits of Unitary Government):

1- بڑی ریاستوں کے لئے ناموزوں (Unsuitable for Big States): وحدانی حکومت ان ریاستوں کے لئے انتہائی ناموزوں ہے جن کا رقبہ بہت وسیع ہو کیونکہ مرکز سے موثر اور بہتر طور پر انتظام نہیں ہوسکتا۔ وحدانی طرز حکومت صرف چھوٹے ممالک کے لئے موزوں ہے۔

2- عوام میں سیاسی شعور کی کمی (Lack of Political Consciousness in People): چونکہ اس طرز حکومت میں مقامی حکومت خود اختیاری کے ادارے نہیں ہوتے اس لیے مقامی حالات و معاملات میں لوگوں کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ عوام میں آہستہ آہستہ سیاسی شعور پیدا ہونے کے بجائے ختم ہو جاتا ہے۔

3- فیصلوں میں تاخیر (Delay in Decisions): اس نظام میں مرکزی حکومت پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے حکومت کے فیصلوں میں تاخیر ہوتی ہے۔ جس کے باعث ملک میں ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔

4- نوکر شاہی (Bureaucracy): وحدانی نظام حکومت میں اختیارات عوامی نمائندوں کے علاوہ زیادہ تر سرکاری افسروں کے پاس ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے اختیارات سے ناجائز فوائد حاصل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جس سے چور بازاری کے دروازے کھل جاتے ہیں اور آخر کار نوکر شاہی کا دور دورہ شروع ہو جاتا ہے۔

5- مقامی مسائل سے بے توجہی (Disconcentration from Local Problems): ایسی حکومت میں مرکزی حکومت کو قومی اور بین الاقوامی امور سرانجام دینے کی وجہ سے مقامی مسائل کی طرف زیادہ توجہ دینا محال ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مقامی معاملات بہتر طور پر حل نہیں ہو پاتے۔ اس طرح علاقائی ترقی رک جاتی ہے۔

6- آمرانہ نظام (Dictatorship): سب سے بڑا اعتراض وحدانی حکومت پر یہ ہے کہ اس طرز حکومت میں اختیارات کا ارتکاز ہونے کی وجہ سے مرکز پرستی کا رجحان بڑھ جاتا ہے' جس سے مرکزی حکومت جابر اور آمر بن جاتی ہے۔

7- غیر جمہوری (Undemocratic): یہ نظام حکومت مقامی خود اختیاری حکومتوں کی نفی کرتا ہے' جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام میں ذمہ داری اور اعتماد کے جذبات ماند پڑ جاتے ہیں اور لوگ حکومت کے معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح غیر جمہوری اقدار جڑ پکڑنا شروع کر دیتی ہیں۔

وفاقی طرزِ حکومت
(Federal Government)

سوال: وفاقی حکومت سے کیا مراد ہے؟اس کی خوبیوں اور خامیوں پر بحث کریں۔ (فیصل آباد بورڈ 2017ء)

جواب:
وفاقی طرزِ حکومت
(Federal Government System)

تعارف: وفاقی حکومت میں دو طرح کی حکومتیں پائی جاتی ہیں: ایک مرکز میں اور دوسری صوبوں میں۔ صوبے مرکزی معاملات میں مداخلت نہیں کرتے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اختیارات کا تعین دستور کرتا ہے۔

وفاقی حکومت کی تعریف (Definition of Federal Government): ڈائسی کے قول کے مطابق وفاق ایک ایسی سیاسی تدبیر ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قومی اتحاد کو ریاستوں کے ریاستی حقوق سے ہم آہنگ کیا جائے۔

فائنر کے قول کے مطابق وفاقی حکومت میں اختیارات کا ایک حصہ مقامی صوبوں کو سپرد کیا جاتا ہے اور دوسرا حصہ مرکزی حکومت کو تفویض کیا جاتا ہے۔

وفاقی حکومت کی خوبیاں (Merits of Federal Government):

1- چھوٹی ریاستوں کے لئے مفید (Suitable for Small States): وفاق کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں چھوٹی اور کمزور ریاستیں آپس میں مل کر وفاق کی صورت میں متحد ہو جاتی ہیں اور اس طرح متحد ہو کر وہ طاقتور ریاست کو جنم دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر جب شمالی امریکہ کی تیرہ نو آبادیوں نے برطانیہ سے آزادی حاصل کر لی تو یہ انفرادی طور پر بہت کمزور تھیں مگر وہ متحد ہو کر ریاست ہائے متحدہ امریکہ بن گئیں جو نہایت طاقتور ملک ہے۔

2- معاشی فوائد (Economic Benefits): معاشی طور پر بھی وفاقیت میں فائدہ ہے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں الگ الگ رہ کر اپنے دفاع اور امور خارجہ پر اس قدر خرچ کرنے کے قابل نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ ایک وفاق میں شامل ایسی ریاستیں اپنے مسائل اکٹھے حل کر سکتی ہیں۔

3- سیاسی تربیت (Political Training): اس نظام میں عوام کو سیاسی تربیت حاصل ہوتی ہے۔ وفاقی حکومتوں میں دوہری حکومتیں ہوتی ہیں۔ عوام کو ان دونوں حکومتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے انہیں سیاسی معاملات میں زیادہ حصہ لینے کا موقع ملتا ہے اور یہی بات ان کی سیاسی تربیت کا باعث بنتی ہے۔

4- علاقائی مسائل کا بہتر حل (Best Solution of Territorial Problems): وفاق میں اکائیوں کو علاقائی خود مختاری حاصل ہوتی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہر اکائی اپنا فائدہ اور اپنی بہتری اور اصلاح کے منصوبے خود بنا کر اس پر عمل کرتی ہے۔

5- آمرانہ رجحانات کا سدباب (Prevention of Dictatorial Tendencies): اس نظام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اس نظام میں آمرانہ رجحانات کا سدباب ہوتا ہے۔ وفاق میں چونکہ آئین تحریری ہوتا ہے اس لئے مرکزی حکومت اس کو اپنی مرضی سے بدل نہیں سکتی اور نہ ہی اپنی حدود سے تجاوز کر سکتی ہے۔

6- دوہری حکومت کے فوائد (Benefits of Double Government): حکومت کے تمام کام اگر مرکزیت کی طرف مائل ہوتے تو یہ کام پوری توجہ سے نہ ہوتا۔ کیونکہ ایک حکومت تمام کاموں کو اس طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتی۔ وفاقی حکومت میں دو حکومتیں ہوتی

ہیں جو اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتی ہیں۔

7- تجربوں کی گنجائش(Capacity of Experiences): اس نظام حکومت میں چھوٹے علاقوں کو سیاسی اور انتظامی تجربات کرنے کے بہترین مواقع حاصل ہوتے ہیں اور اگر وہی تجربات وحدانی ریاست میں کیے جائیں اور غلط ثابت ہوں تو سارے ملک کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے لیکن وفاقی حکومت میں اس کا اثر مخصوص علاقے پر پڑتا ہے۔

وفاقی حکومت کی خامیاں(Demerits of Federal Government):

1- اکائیوں کی علیحدگی کا خطرہ(Danger of Units Secession): اس طرز حکومت میں چونکہ اکائیاں اپنے معاملات میں خودمختار ہوتی ہیں' اس لئے اختلافات کی صورت میں اکائیوں کی علیحدگی کا ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔ اس طرح وحدانی طرز حکومت کی نسبت یہ نظام حکومت کی سالمیت کے لئے بہتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

2- دستور میں ترمیم کا مشکل طریق کار(Difficult Procedure to Amend the Constitution): وفاقی دستور میں ترمیم کرنے کا طریقہ کار عموماً پیچیدہ اور مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے وقت کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دینے سے قاصر ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ترمیم کرنے کا مشکل طریقہ جمہوری اصولوں کے بھی خلاف ہے مثلاً امریکہ میں پچاس میں سے تیرہ ریاستیں کسی بھی ترمیم کو مسترد کرسکتی ہیں۔

3- مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات(Disputes Among Centre and Provinces): وفاقی حکومت میں تقسیم اختیارات کی تشریح کے بارے میں اکثر مرکز اور صوبوں میں جھگڑے جنم لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس نظام میں صوبائی اور مرکزی حکومتوں کے مابین اختیارات واضح طور پر تقسیم کردیئے جاتے ہیں لیکن یہ تقسیم بہت سی بدگمانیوں کا باعث بنتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بجائے اتحاد و یگانگت کے ایک مستقل الجھن پیدا ہو جاتی ہے۔

4- اخراجات میں اضافہ (Increment in Expenditure): وفاقی طرز حکومت میں حکومت کا دوہرا نظام قائم ہوتا ہے۔ اس لئے وحدانی نظام حکومت کی نسبت اس میں زیادہ خرچ ہوتا ہے۔

5- کمزور حکمت عملی(Weak Policy): وفاقی حکومت اپنی پالیسی میں کمزور ہوتی ہے کیونکہ اس کو بعض کاموں کو انجام دینے سے پہلے صوبائی حکومتوں سے مشورہ کرنا پڑتا ہے اور ان کی رضامندی حاصل کرنا ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا بہت سا وقت گفت وشنید میں گزر جاتا ہے۔ یہ کمزوری خارجہ پالیسی میں بے حد خطرناک ثابت ہوسکتی ہے۔

6- قانون میں غیر یکسانیت(Un-uniformity in Law): وفاقی طرز حکومت میں ملکی قوانین میں یکسانیت نہیں پائی جاتی' کیونکہ ہر صوبہ اندرونی طور پر خودمختار ہوتا ہے اور وہ اپنی مرضی سے قوانین وضع کرسکتے ہیں۔ اس لیے کئی قسم کی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اچھا تصور حکمرانی

(Good Governance)

سوال: اچھی حکمرانی(Good Governance) سے کیا مراد ہے؟ اس کے چند نمایاں پہلوؤں پر اظہار خیال کریں۔

جواب: اچھی حکمرانی کے لیے انگریزی الفاظ Good Governance استعمال کیے جاتے ہیں۔ Governance کا مطلب حکمرانی ہے اور Good Governance سے مراد ہے اچھی حکمرانی۔ سادہ لفظوں میں ''اچھی حکمرانی یا مثالی تصور حکمرانی ایک ایسا فن' لائحہ عمل اور طریق کار ہے جس کے مطابق ریاستی امور اور حکومت کا کاروبار بہ احسن طریقے سے بروقت سرانجام دیا جائے تاکہ لوگوں کو اطمینان قلب ہوسکے۔''

اچھی حکمرانی کے اوصاف حسب ذیل ہیں:

1- عوام کی حقیقی فلاح و بہبود: تمام حکومتی اختیارات کو مکمل طور پر عوام کی حقیقی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

2- آسانیوں اور سہولتوں کی فراہمی: اچھی حکمرانی اس بنیاد پر قائم ہے کہ حکومت کا فرض اولین عوام کے لیے آسانیاں فراہم کرنا ہے۔انہیں زندگی کی سہولتوں سے محروم نہ رکھا جائے۔ان کی روٹی' کپڑا' مکان' علاج معالجہ' تعلیم اور دیگر ضروریاتِ زندگی کو پورا کیا جائے۔

3- بنیادی انسانی حقوق کا احترام: اچھی حکمرانی کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ حکومت تمام شہریوں کے بنیادی انسانی حقوق کا احترام کرتی ہے اور ان کی آزادی کی حفاظت کرتی ہے۔عوام کی طرف سے حکمرانوں کے قول و فعل پر تنقید کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جاتا ہے اور انہیں حرف حق کہنے پر انتقام کا نشانہ نہیں بنایا جاتا۔

4- حکمران عوام اور اللہ کے سامنے جواب دہ ہیں: اچھی حکمرانی کا ایک نمایاں وصف یہ بھی ہے کہ حکمران اس دنیا میں عوام کے سامنے اور آخرت میں اپنے اعمال کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔حکمرانوں کو نہ صرف خود نیک اور باکردار ہونا چاہیے بلکہ ان پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ صالح اور نیک سیرت افراد کو اپنے ماتحتوں کے طور پر مامور کریں تاکہ تمام حکومتی فیصلے صاف اور شفاف طریقے سے سرانجام پائیں۔

5- حکومتی کاموں میں عوام کی شرکت: حکومت کا فرض ہے کہ وہ حکومتی کاموں میں عوام کو شرکت کے مواقع فراہم کرے اور زیادہ سے زیادہ ان کی منشا اور رائے کا احترام کر کے حکومتی امور میں ان کے مشوروں پر عمل کرے۔

6- احتساب اور توازن: فرد واحد کو تمام اختیارات دینے کی بجائے انہیں مختلف اداروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور بے لاگ احتساب کیا جاتا ہے۔ان اختیارات کی تقسیم اس طرح کی جاتی ہے کہ ایک ادارہ دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور سب ادارے ایک دوسرے کا احتساب کرتے ہیں۔

اچھی حکمرانی کے چند نمایاں پہلو

(Salient Aspects of Good Governance)

ہم اچھی حکمرانی کے چند نمایاں پہلوؤں کا جائزہ لیں گے' جو حسب ذیل ہیں:

- i- اچھی حکمرانی اور معاشرتی زندگی
- ii- اچھی حکمرانی اور معاشی زندگی
- iii- اچھی حکمرانی اور سیاسی زندگی
- iv- اچھی حکمرانی اور مذہبی زندگی
- v- اچھی حکمرانی اور ثقافتی زندگی
- vi- اچھی حکمرانی اور عدل و انصاف کی فراہمی

i- اچھی حکمرانی اور معاشرتی زندگی: اچھی حکمرانی کی بدولت افراد' گروہوں اور پورے معاشرے کو اپنی شخصیت اور باہمی تعلقات کو صحت مندانہ خطوط پر پروان چڑھانے اور فروغ دینے کے لیے مناسب حالات اور سازگار ماحول میسر آتا ہے۔حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ معاشرے سے ظلم' تعصب اور حق تلفی کو ختم کریں۔غلط' فرسودہ اور بری رسومات اور رواجوں کی اصلاح کریں اور ایسی اقدار کو فروغ دیں جو ایک دوسرے کے احترام پر مبنی ہوں' انسانی شرف اور مقام کا احترام ملحوظ رکھتی ہوں' جن سے انسانیت کا بول بالا ہوتا ہو' جو معاشرے میں اتحاد اور یک جہتی کو فروغ دیتی ہوں اور محنت کی عظمت کو اُجاگر کرتی ہوں۔

ii-اچھی حکمرانی اور معاشی زندگی: اچھی حکمرانی کے تصور کے تحت جو معاشی نظام پروان چڑھتا ہے' وہ غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر نہیں بناتا بلکہ وہ قومی وسائل سے بلا امتیاز ہر شخص اور ہر معاشرتی گروہ کو مستفید ہونے کے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے۔ ناجائز منافع خوری' سمگلنگ' چور بازاری اور ملاوٹ سے روکتا ہے۔ رشوت' ذخیرہ اندوزی' جوئے' منشیات کے استعمال و کاروبار اور مہنگائی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ عوام کو جائز حدود کے اندر نجی جائیداد' کاروبار' پیشہ کے چناؤ کی آزادی دیتا ہے اور رزق حلال کے حصول کو یقینی بناتا ہے۔ اچھی حکمرانی میں حکومت عوام کی معاشرتی ضرورتوں کا لحاظ رکھتی ہے' غریبوں اور محتاجوں کی دست گیری کرتی ہے اور ان کی معاشی کفالت کا فرض ادا کرتی ہے' بیروزگاری کا خاتمہ کرتی ہے' غربت و افلاس کا خاتمہ کرنے کے لیے عملی اقدامات کرتی ہے اور مساوات قائم کرتی ہے' عوام کو طبی اور تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتی۔

iii-اچھی حکمرانی اور سیاسی زندگی: اچھی حکمرانی میں حکمران اپنے اعمال کے لیے عوام کے سامنے جواب دہ ہوتے ہیں۔ عوام ان پر براہ راست تنقید کرنے میں آزاد ہوتے ہیں۔ عوام کو اس مقصد کے لیے تحریر' تقریر و جماعت سازی اور جلسہ و جلوس کا حق دیا جاتا ہے۔ رائے عامہ کا احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ عوام کو حکومتی کاموں میں شریک کیا جاتا ہے۔ قومی امور میں ان سے مشورہ کیا جاتا ہے اور ایسی فضا کو پروان چڑھایا جاتا ہے کہ جس میں عوام کو یہ احساس رہتا ہے کہ حکومت ان کی اپنی ہے اور وہ ان کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی کسر نہ اٹھا رکھے گی۔ عوام کو حکمرانوں کے انتخاب کا حق حاصل ہوتا ہے اور عوام چاہیں تو بدعنوان حکمرانوں کو اپنے ووٹ کے استعمال سے مسند اقتدار سے ہٹا دیں۔ اچھی حکمرانی میں عوام کو ان کے سیاسی اور قانونی حقوق حاصل ہوتے ہیں اور حکومت ان کی ہر قیمت پر حفاظت کرتی ہے۔

iv-اچھی حکمرانی اور مذہبی زندگی: اچھی حکمرانی کے تحت عوام کو اپنے اپنے مذہبی عقائد اور رسومات کی ادائیگی کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ حکومت عوام کے مذہبی عقائد کی نہ صرف حفاظت کرتی ہے بلکہ ان میں نہ خود دخل اندازی کرتی ہے اور نہ مخالفین کو دخل اندازی کی اجازت دیتی ہے۔ اقلیتوں کے مذہبی حقوق کا احترام کیا جاتا ہے۔ اچھی حکمرانی کے تحت مذہبی فرقہ بازی' فرقہ وارانہ نفرت' فرقہ وارانہ تعصب اور فرقہ وارانہ تشدد کے استعمال کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ حکومت بذات خود کسی فرد یا گروہ کو مذہبی امتیاز کی بنا پر کم تر نہیں سمجھتی اور نہ کسی کو دوسروں کے حقوق کی پامالی کرنے دیتی ہے۔

v-اچھی حکمرانی اور ثقافتی زندگی: اچھی حکمرانی کے تحت حکومت ایسے ثقافتی اشغال اور اقدار کو فروغ دیتی ہے جو عوام کی شخصیت کو صحت مندانہ خطوط پر پروان چڑھانے میں مدد دیتی ہیں۔ ثقافت کے تحت جائز اور صحت مندانہ سرگرمیوں مثلاً کھیلوں' میلوں اور تماشوں کو رواج دیا جاتا ہے۔ ناچ گانا' شراب نوشی' جواء' فحاشی اور عریانیت کو روکنے کے لیے اقدامات کرتی ہے۔ فسق و فجور اور منکرات کو روکتی ہے اور ایسی ثقافتی اقدار کے فروغ کے لیے عملی اقدامات اور امداد فراہم کرتی ہے جن سے لوگوں کی مادی اور روحانی زندگی کے تقاضے پورے ہوتے ہوں' لوگوں کی فنکارانہ اور تخلیقی صلاحیتوں کو جلا ملتی ہو اور اظہار کے مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

vi-اچھی حکمرانی اور عدل و انصاف کی فراہمی: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ کافر حکومت کے مقابلے میں عدل و انصاف فراہم نہ کرنے والی حکومت جلد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہے۔ اچھی حکمرانی کے امتیازی اوصاف میں عدل و انصاف کی فراہمی کو بڑا اہم مقام حاصل ہے۔ اچھے حکمران عدالتوں اور ان کے فیصلوں کا احترام کرتے ہیں اور عدلیہ کی آزادی کا ہر قیمت پر احترام کرتے ہیں جو عدالتی فیصلہ ان کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اچھی حکمرانی کی روح قوانین کی حکمرانی ہے' اشخاص کی حکمرانی نہیں۔ اسلامی تاریخ ایسی روشن مثالوں سے بھری پڑی ہے جو عدالتی آزادی اور ان کے فیصلوں کے احترام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اچھی حکمرانی کے ماتحت عدالتوں سے ایسے فیصلے صادر ہوتے ہیں جو انسانیت کا وقار بڑھاتے ہیں اور تعصب' مفادات' ہر قسم کی وابستگی اور لالچ سے پاک ہوتے ہیں۔

سوال: اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل رکاوٹوں پر اظہار خیال کریں اور بتائیں انہیں کیسے دور کیا جاسکتا ہے۔

جواب: **اچھی حکمرانی کی راہ میں درپیش رکاوٹیں**

(Hurdles in the Way of Good Governance)

i- تعلیم کی کمی یا جہالت: اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل سب سے بڑی مشکل تعلیم کی کمی یا جہالت ہے۔ کسی ملک کی سیاسی، معاشرتی اور معاشی ترقی علم کے بغیر ناممکن ہے۔ تعلیم لوگوں میں مسائل اور ان کے حل کا شعور پیدا کرتی ہے۔ اگر حکمران اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوں تو وہ ملکی وسائل سے پورا پورا استفادہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں وہ ذاتی اغراض وخواہشات کا شکار ہو کر ملک وقوم کو طرح طرح کی مشکلات کے حوالے کر دیتے ہیں۔

ii- ناجائز اقتدار: اچھی حکمرانی کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ اقتدار حکومت پر بعض اشخاص یا گروہوں کا ناجائز قبضہ ہے۔ حکمرانی کے مناصب پر فائز ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو اپنے ووٹ کے استعمال کا حق دیا جائے اور عوام کی رائے کو وقعت دی جائے۔ دھونس، انتخابی دھاندلی یا فوجی طاقت کے استعمال سے اقتدار پر قبضہ کرنے کی صورت میں اچھی حکمرانی کے تصور کو دھچکا لگتا ہے اور بذات خود عوام میں بددلی اور مایوسی پھیلتی ہے۔

iii- اختیارات کا ارتکاز: حکمرانوں کی طرف سے اپنے اختیارات میں اضافہ اور ارتکاز سے بھی اچھی حکمرانی کو نقصان پہنچتا ہے۔ انگریز مفکر ایکٹن نے کہا تھا کہ اقتدار بدعنوانی کو جنم دیتا ہے اور زیادہ اختیارات سے زیادہ بدعنوانی کا ارتکاب ہوتا ہے۔ حکمران طاقت اور اختیارات کے نشے میں چور ہو کر ان کا ناجائز اور غلط استعمال کرتے ہیں۔ سیاسی حریفوں سے انتقام لینے کے لیے اختیارات استعمال کیے جاتے ہیں۔ عدل وانصاف کا خاتمہ ہونے سے لوگ حکمرانوں کے ظلم وستم اور عتاب کا نشانہ بن جاتے ہیں۔

iv- انسانی حقوق کی خلاف ورزی: اچھی حکومت کی راہ میں درپیش ایک بڑی رکاوٹ حکمرانوں کی طرف سے عوام کے حقوق کی پامالی ہے۔ حکمران عوام کو تنقید، تحریر، تقریر اور جماعت سازی کے حق سے محروم رہ کر من مانی کرتے ہیں۔ رائے عامہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور طاقت کے زور پر اپنی ناجائز پالیسیوں پر عمل درآمد کراتے ہیں۔ اس طرح عوام میں بیگانگی کا احساس ابھرتا ہے۔ بددلی اور مایوسی پھیلتی ہے۔ حکومت کے ظالمانہ اقدامات کے خلاف نفرت سے دل سلگنے لگتے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ عوام میں بے چینی پیدا ہوتی ہے جس سے وہ حکومت کے خلاف تحریک چلاتے ہیں جو عام طور پر ملک کو سیاسی طور پر غیر مستحکم کر دیتی ہے۔

v- کمزور معیشت: اچھی حکمرانی کی راہ میں کمزور معیشت بھی ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ مہنگائی، غربت اور افلاس سے لوگوں کا طرز زندگی اور معیار حیات متاثر ہوتا ہے۔ بیروزگاری میں اضافہ سے عوام میں مایوسی اور بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج وسیع ہونے سے اور معاشی ترقی رُک جانے سے ملک میں خونی انقلاب کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ فوج اقتدار پر قبضہ کر سکتی ہے۔ اس طرح معاشی بحالی کے نام پر آمریت کی سیاہ رات ملک پر مسلط ہو جاتی ہے۔

اچھی حکمرانی کی راہ میں درپیش رکاوٹوں کا حل:

i- تعلیم کی کمی کا حل: اس مشکل سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں تعلیم (پرائمری تا اعلیٰ) کے فروغ کے لیے جامع اور دیرپا قومی تعلیمی پالیسی تشکیل دی جائے۔ تعلیمی اداروں یعنی سکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔ مسجدوں اور دینی مدرسوں کو بھی تعلیمی اداروں کا درجہ دیا جائے۔ محنتی اور تجربہ کار اساتذہ کرام کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے۔ نظری اور عملی یا فنی تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔ نظام

امتحانات کے نقائص خاص طور پر رٹہ بازی اور نقل نویسی کے رجحانات کا قلع قمع کیا جائے۔ طلبہ کو وظائف دیئے جائیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد کو مستقل روزگار فراہم کیا جائے۔

ii- ناجائز اقتدار کا حل: اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ رائے عامہ کا احترام کیا جائے۔ عوام کو ووٹ دینے کا نہ صرف حق دیا جائے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ووٹ دینے کا اہل قرار دیا جائے۔ ایک آزاد اور خودمختار الیکشن کمیشن قائم کیا جائے جس کے فیصلے حتمی ہوں' ملک میں ہر 4 یا 5 سال کے وقفے سے باقاعدہ جنرل انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنایا جائے۔ انتخابات میں دھاندلی یا التوا کرنے والوں کو نااہل قرار دیا جائے۔ سیاست میں فوج کی دخل اندازی کے اسباب کو ختم کیا جائے اور ایسے ادارے قائم کئے جائیں جو ملک کے سیاسی استحکام کے لیے ضروری ہوں۔ مجلس قانون ساز کو انتظامیہ اور عدلیہ پر فوقیت دی جائے اور آزاد عدلیہ کے قیام کی ضمانت دی جائے۔

iii- اختیارات کے ارتکاز کا حل: اقتدار کو نچلی سطحوں میں تقسیم کر دیا جائے اور اختیارات محض رسمی ہونے چاہئیں۔ کسی ایک فرد' طبقے یا ادارے کو تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں نہیں رکھنے چاہئیں بلکہ عوام کو اقتدار میں شریک کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے ضروری اداروں کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے۔ مجلس قانون ساز کو مقتدر ادارہ قرار دیا جائے اور اس کو آزادی سے کام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ اسی طرح عدالتوں کو آزادی سے کام کرنا چاہیے اور حکمرانوں کا محاسبہ کرنے میں کوئی رکاوٹ یا جھجک نہیں ہونی چاہیے۔

iv- حقوق انسانی کی خلاف ورزی کا حل: اس مشکل کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ عدلیہ آزاد ہو۔ انسانی حقوق کی نگرانی کرنے والے ادارے خواہ ملکی ہوں یا غیر ملکی' انہیں کام کرنے کی آزادی ہو۔ ملکی صحافت آزاد ہو۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی ختم کر دی جائے اور انہیں عوام کا سیاسی شعور بیدار کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔ سیاسی قیادت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ عوام کی سیاسی تربیت کرنے میں بخل سے کام نہ لیں اور عوام کی صحیح سمت میں راہنمائی کریں۔

v- کمزور معیشت کا حل: اس رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں عادلانہ معاشی نظام متعارف کرایا جائے۔ محنت کی عظمت کا پرچار ہونا چاہیے۔ ملک میں صنعتوں' کارخانوں اور زراعت کی ترقی کو فروغ دے کر بے روزگاری کا خاتمہ کیا جائے غیر ملکی امداد پر انحصار نہ کیا جائے۔ بیرونی قرضوں سے نجات حاصل کی جائے ظالمانہ ٹیکسوں کو ختم کیا جائے روزگار کے نئے نئے مواقع پیدا کیے جائیں۔ نجی شعبے کی حوصلہ افزائی کی جائے لیکن ان پر جائز پابندیاں بھی عائد کی جائیں' تاکہ وہ عوام کا استحصال نہ کر سکیں۔ ملکی برآمدات اور درآمدات کے درمیان توازن پیدا کیا جائے۔ غیر ملکی سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ مہنگائی اور افلاس کو کنٹرول کیا جائے۔

☆☆☆☆

ٹیکسٹ بک کی مکمل حل شدہ آزمائشی مشق

انشائی ...... حصہ دوم

مختصر سوالات و جوابات

سوال (i): حکومت کا مفہوم بیان کریں۔

جواب: حکومت سیاسی کنٹرول کا ایسا نظام ہے جس کے تحت قانون بنانے اور نافذ کرنے کا حق آزاد سیاسی معاشرے میں مخصوص افراد کو ہوتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد سرور کے مطابق حکومت جمہوری ریاست میں منتخب افراد کی ایسی تنظیم ہے جو آئین کے مطابق عوام کی اجتماعی ترقی کے لئے پالیسی کو نافذ کرتی ہے۔

سوال(ii): **ارسطو نے حکومت کی درجہ بندی کن اصولوں پر کی ہے؟**

جواب: ارسطو نے اپنی کتاب سیاست (Politics) میں حکومت کی درجہ بندی دو بنیادی اصولوں پر کی ہے:

(1) حکمرانوں کی تعداد (2) حکمرانی کا مقصد

سوال(iii): **جمہوریت سے کیا مراد ہے؟**

جواب: جمہوریت عربی زبان کا لفظ ہے۔ جمہور کے معنی عوام یا سب لوگ کے ہوتے ہیں۔ جمہوریت کو انگریزی زبان میں (Democracy) کہتے ہیں۔ یہ لفظ دو یونانی الفاظ Demos اور Kratos سے اخذ کیا گیا ہے جن کے معنی لوگ اور حکومت کے ہیں۔ لہٰذا جمہوریت سے مراد ایسا طرز حکومت ہے جس میں عوام خود یا اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے حکومت کرتے ہیں۔

سوال(iv): **آمریت کس قسم کی حکومت کو کہتے ہیں؟**

جواب: آمریت ایسی حکومت کو کہتے ہیں جس میں ریاست کے تمام اختیارات فرد واحد کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہ تمام اختیارات اور قوانین کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ وہ اپنے لامحدود اختیارات میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوتا۔

سوال(v): **ڈائسی نے وفاق کی کیا تعریف کی ہے؟**

جواب: ڈائسی کے مطابق "وفاق ایک ایسی سیاسی تنظیم ہے جس میں قومی اتحاد اور اختیارات کو علاقائی حقوق کے ساتھ ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔"

سوال(vi): **وفاق اور نیم وفاق میں کیا مشابہت ہے؟**

جواب: وفاق اور نیم وفاق میں دو باتوں میں مشابہت پائی جاتی ہے:

-1 ان دونوں میں کچھ آزاد ریاستیں اتحاد قائم کرتی ہیں۔

-2 ایک مرکزی ادارہ یا تنظیم تشکیل دیتی ہیں۔

سوال(vii): **پارلیمانی طرز حکومت کی پانچ خصوصیات بیان کریں۔**

جواب: پارلیمانی طرز حکومت کی پانچ خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- پارلیمنٹ کی بالادستی
2- کابینہ کی فوقیت
3- وزیراعظم قائد ایوان
4- جوابدہی کا اصول
5- برائے نام سربراہ ریاست

سوال(viii): **انتظامیہ کی کون کون سی اقسام ہیں؟**

جواب: انتظامیہ کی پانچ بڑی اقسام ہیں:

1- برائے نام انتظامیہ
2- حقیقی انتظامیہ
3- صدارتی انتظامیہ
4- واحد انتظامیہ
5- تکثیری انتظامیہ

سوال(ix): **خلافت سے کیا مراد ہے؟**

جواب: خلافت اسلامی ریاست کا سب سے اعلیٰ و برتر حکومتی ادارہ ہے جس کا سربراہ خلیفہ ہوتا ہے۔ خلیفہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے۔ خلیفہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق اسلامی ریاست کا نظام چلاتا ہے۔

سوال(x): **پارلیمانی طرز حکومت میں حزب مخالف کا کیا کردار ہوتا ہے؟**

جواب: پارلیمانی طرز حکومت میں حزب مخالف کو بڑا اہم کردار حاصل ہوتا ہے۔ حزب مخالف حکومت کی مکمل نگرانی کرتی ہے اور حکومت کی غلط پالیسیوں پر تعمیری تنقید کرتی ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت میں حزب مخالف حکومت کی ناکامی کی صورت میں "شیڈو کیبنٹ" بھی مہیا کرتی ہے تاکہ نظام حکومت میں بریک پیدا نہ ہو سکے۔

سوال(xi): **صدارتی طرز حکومت کی چار خصوصیات بیان کریں۔**

www.downloadclassnotes.com

جواب: صدارتی طرز حکومت کی چار خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1- صدر سربراہ حکومت و ریاست ہوتا ہے۔
2- صدر پارلیمنٹ کو جوابدہ نہیں ہوتا ہے۔
3- صدر مقننہ کو برخاست نہیں کر سکتا۔
4- صدارتی طرز حکومت میں انتظامیہ اور مقننہ میں ہم آہنگی کا فقدان ہوتا ہے۔

سوال(xii): اچھا تصور حکمرانی سے کیا مراد ہے؟

جواب: اچھا تصور حکمرانی سے مراد ایک ایسا فن حکمرانی ہے جس میں ریاستی امور اور کاروبار حکومت کو احسن طریقے سے بروقت سرانجام دیا جائے۔ جس سے نہ صرف عوام کو اطمینان قلب حاصل ہو بلکہ ان کے بنیادی انسانی حقوق اور روشن مستقبل کی ضمانت بھی دی جا سکے۔

سوال(xiii): احتساب و توازن کا عمل حکمران اور انتظامیہ کو راہ راست پر لانے کے لئے کیا کردار کرتا ہے؟

جواب: احتساب و توازن کا عمل حکمران و انتظامیہ کو راہ راست پر لانے کے لئے بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اگر احتساب و توازن کا عمل نہ ہو تو پھر ایک حکمران فرعون کی طرح مستبد اور ظالم بن جائے گا۔ حکمران کی من مانیوں سے ریاست اور حکومت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ احتساب و توازن کا عمل بد دماغ حکمرانوں کے منہ میں لگام کا کام دیتا ہے۔

سوال(xiv): آمریت کی اقسام بیان کریں۔

جواب: موجودہ جدید دور میں آمریت کی چار بڑی اقسام پائی جاتی ہیں:

1- قومی آمریت 2- فوجی آمریت
3- فسطائی آمریت 4- اقتصادی آمریت

سوال(xv): جمہوریت کی کون کون سی اقسام ہیں؟

جواب: جمہوریت کی دو بڑی اقسام ہیں:

1- بلاواسطہ جمہوریت 2- بالواسطہ جمہوریت

﴿حصہ معروضی﴾

☐ ہر سوال کے چار ممکنہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

1- برطانیہ میں نظام حکومت ہے:
(الف) صدارتی (ب) وفاقی (ج) **پارلیمانی ✓** (د) وحدانی

2- عدلیہ ملک میں قائم کرتی ہے:
(الف) **عدل و انصاف ✓** (ب) نظم و نسق (ج) حکومت (د) جمہوریت

3- ارسطو نے اپنی کس کتاب میں ریاست کی مختلف اقسام کو بیان کیا ہے؟
(الف) مقدمہ (ب) **پولیٹکس ✓** (ج) جمہوریہ (د) سول گورنمنٹ

4- کس مفکر نے حکومت کی درجہ بندی بہتر طریقے سے کی ہے؟
(الف) ہالینڈ (ب) ارسطو (ج) **لیکاک ✓** (د) لاسکی

5- جمہوریت کی یہ تعریف کس نے کی ہے؟ ''عوام کی حکومت عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے۔''
(الف) برجیس (ب) **ابراہم لنکن ✓** (ج) سیلے (د) ہال

6- عدم استحکام اور جمود کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں:
(الف) **سیاسی جماعتیں ✓** (ب) عدالتیں (ج) حکومتیں (د) وزارتیں

www.downloadclassnotes.com

CIVICS NOTES FOR 1st YEAR CLASS (PUNJAB)

-7 یہ نظام حکومت غیر یقینی ہے۔
(الف) آمریت ✓ (ب) صدارتی (ج) پارلیمانی (د) وفاقی

-8 اس نظام میں ضروری نہیں کہ آئین تحریری اور استوار ہو۔
(الف) وفاقی (ب) پارلیمانی (ج) وحدانی ✓ (د) جمہوری

-9 سوئٹزرلینڈ میں وفاقی اکائی کو کس نام سے پکارا جاتا ہے؟
(الف) صوبہ (ب) ریاست (ج) کینٹن ✓ (د) ریپبلک

-10 امریکہ میں کونسا نظام حکومت رائج ہے؟
(الف) بادشاہت (ب) وفاقی ✓ (ج) وحدانی (د) پارلیمانی

-11 پارلیمانی طرز حکومت میں کس کو بہت اہم حیثیت حاصل ہوتی ہے؟
(الف) صدر (ب) سپیکر (ج) اٹارنی جنرل (د) وزیراعظم ✓

-12 کس طرز حکومت میں حکومت کے تینوں شعبے ایک دوسرے سے آزاد ہوتے ہیں؟
(الف) واحدانی (ب) بادشاہت (ج) صدارتی ✓ (د) پارلیمانی

-13 کس کا سب سے اہم بنیادی اور اولین فرض قانون سازی ہے؟
(الف) عدلیہ (ب) انتظامیہ (ج) مقننہ ✓ (د) کابینہ

-14 1962ء کا دستور کس کے دور میں وضع کیا گیا تھا؟
(الف) سکندر مرزا (ب) غلام محمد (ج) ایوب خان ✓ (د) چوہدری محمد علی

-15 سوئٹزرلینڈ میں کون سی انتظامیہ ہے؟
(الف) واحد (ب) تکثیری ✓ (ج) پارلیمانی (د) صدارتی

-16 کس طرز حکومت میں شورائی نظام کو زبردست اہمیت حاصل ہے؟
(الف) پارلیمانی (ب) دستوری (ج) اسلامی ✓ (د) وفاقی

-17 گورننس (Governance) کا لفظی معنی ہے:
(الف) حکومت (ب) نظم و نسق (ج) حکمرانی ✓ (د) کارکردگی

-18 کس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے؟
(الف) حکومت (ب) بادشاہ (ج) اللہ تعالیٰ ✓ (د) خلیفہ

-19 کس کا قول ہے کہ ''میں کسی شخص کو اس کا موقع نہ دوں گا کہ وہ کسی کی حق تلفی کرے۔''
(الف) حضرت ابوبکرؓ (ب) حضرت عمرؓ ✓ (ج) حضرت عثمانؓ (د) حضرت علیؓ

-20 کس نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہوئے کہا تھا: ''لوگو! اگر میں نبی ﷺ کی راہ پر چلوں تو میری پیروی کرنا۔ اگر اس سے ہٹ جاؤں تو مجھے راہ راست پر لے آنا۔''
(الف) حضرت ابوبکرؓ ✓ (ب) حضرت عمرؓ (ج) حضرت عثمانؓ (د) حضرت علیؓ

☆☆☆☆☆☆

www.downloadclassnotes.com